Spot CMYK#Waheed

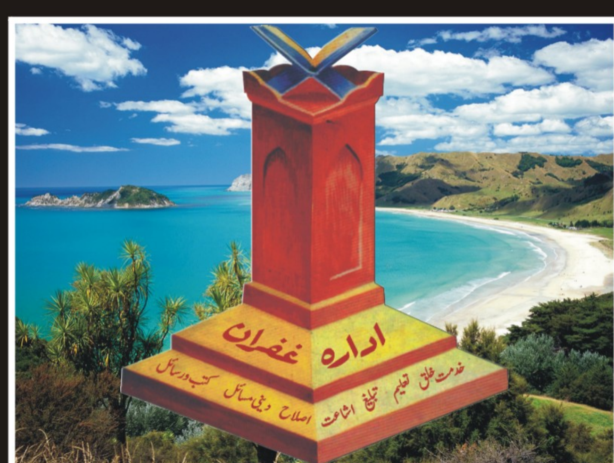

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے
سالانہ..............300 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
الحاج غلام علی فاروق
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....کیا ہمارے ملک کے قوانین قرآن وسنہ سے متصادم ہیں؟............مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۷، آیت نمبر ۳۶)....... حضرت آدم وحوّا کو شیطان کا بہکانا..............// // ۱۰

درسِ حدیث ....استخارہ کے فضائل واحکام (قسط۱)..................// // ۱۴

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ ذی الحجہ: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں.....................مولوی طارق محمود ۲۲

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۹)............ترتیب: مفتی محمد رضوان ۲۸

حج کی خصوصیات...مفتی محمد رضوان ۳۲

تقلید کے مختلف درجات...عبدالواحد قیصرانی ۳۸

صحابیٔ رسول حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (قسط۱)..........................انیس احمد حنیف ۴۰

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۲)......................مفتی محمد امجد حسین ۴۴

راستہ کے آداب (قسط۱)...مفتی محمد رضوان ۴۸

مکتوباتِ مسیح الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۸)...............ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۵۱

ادارہ کے نصاب کی بنیاد کن خطوط پر ہونی چاہئے..............................// // ۵۵

علم کے مینار.............ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط۱۳)..............مولانا محمد امجد حسین ۵۹

تذکرۂ اولیاء:.. تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۹)..................// // ۶۵

پیارے بچو! .... بڑی عید اور قربانی..........................مفتی ابوریحان ۷۱

بزمِ خواتین ...... سونے چاندی کا استعمال اور اس کے شرعی تقاضے (قسط۱)......مفتی ابوشعیب ۷۵

آپ کے دینی مسائل کا حل.. حج وعمرہ کے موقعہ پر خواتین کے حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کا حکم.....ادارہ ۷۹

کیاآپ جانتے ہیں؟............ سوالات وجوابات.............ترتیب: مفتی محمد یونس ۸۶

عبرت کدہ .... حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۵)..................مولوی طارق محمود ۹۱

طب وصحت............ مچھلی (FISH)..........................حکیم محمد فیضان ۹۴

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز.......................مولانا محمد امجد حسین ۹۷

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں.......................ابرار حسین ستی ۹۸

Wearing of ornaments except gold or silver....................// // ۱۰۰

Idara Ghufran

اداریہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مفتی محمد رضوان

کیا ہمارے ملک کے قوانین قرآن وسُنَّۃ سے متصادم ہیں؟

کچھ مدت سے ہمارے ملک کے مقتدر حلقوں کی جانب سے برملا یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنہ کے خلاف اور متصادم کسی قانون یا بل کے منظور اور پاس ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بظاہر تو یہ دعویٰ اتنا خوش آئند اور خوش کن ہے کہ اس کو سن کر قیامِ پاکستان کی وہ پاکیزہ جدوجہد اور قربانیوں کا وہ مقصد یاد آجاتا ہے، جس کے لئے لاکھوں شہداء نے اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کیا تھا، اور مختصر لفظوں میں آج تک لوگوں کے ذہنوں میں اس عظیم مقصد کے تحت لگائے جانے والے اس نعرہ کی گونج باقی ہے کہ:

پاکستان کا مطلب کیا، لاالٰہ الااللہ

بعض مقتدر حلقوں کی جانب سے یہ دعویٰ ایک ایسے موقعہ پر کیا جارہا ہے جبکہ تحفظ حقوقِ نسواں کے نام سے ایک بل کی منظوری دی جاچکی ہے، اور ایک دوسرے بل کی منظوری پر غور وفکر جاری ہے۔ سب سے پہلے تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تحفظِ حقوقِ نسواں کے نام سے حالیہ بل جو منظور کیا گیا ہے، اس سے پہلے یا تو وہ قرآن وسنہ کے خلاف تھا اور اب اس کو قرآن وسنہ کے موافق کیا گیا ہے، اور یا پھر وہ پہلے قرآن وسنہ کے موافق تھا اور اب اس کو قرآن وسنہ کے خلاف بنا دیا گیا ہے۔

پہلی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہمارے ملک میں قرآن وسنہ کے خلاف کسی قانون کے منظور یا پاس ہونے کا نہ صرف تصور موجود ہے بلکہ عملی مثالیں بعض پہلے سے رائج قوانین کی صورت میں موجود ہیں۔ کیونکہ جو قانون ایک مدتِ دراز تک نافذ وجاری رہا، اس کے متعلق ظاہر ہے کہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کے منظور اور پاس ہونے کا تصور تو نہیں کیا جاسکتا البتہ یقین کیا جاسکتا ہے۔ اور دوسری صورت میں بھی لازم آتا ہے کہ قرآن وسنہ کے خلاف نئے اور جدید کسی قانون کے منظور اور کسی بل کے پاس ہونے کا تصور تو نہیں کیا جاسکتا البتہ یقین کیا جاسکتا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی تصور کرلی جائے تو اس سوال کا واضح جواب دینے کی ذمہ داری پھر بھی برقرار رہتی ہے کہ پہلے دور کے بل کو منظور کرنے والے حضرات کے دلوں میں اس بل کی مخالفت کرنے والوں سے

زیادہ دین کا جذبہ تھا یا کم؟

اور کیونکہ موجودہ بل کے قرآن وسنہ کے خلاف یا موافق ہونے پر ابھی تک اتنا کچھ کہا اور سنا جا چکا ہے کہ ہم اس موضوع پر مزید لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ البتہ ہم نے جو موجودہ بل کے متعلق دونوں صورتیں پیش کی ہیں ان پر مذکورہ مقتدر حلقوں کو دعوتِ فکر ضرور دیں گے، تا کہ وہ اس پر اچھی طرح غور فرمالیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ دعویٰ بغیر سوچے سمجھے کر دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے اور مآل پر ابھی تک غور نہیں کیا جا سکا۔ بعض مقتدر حلقوں کی جانب سے جو یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنہ کے خلاف کسی قانون کے منظور اور قرآن وسنہ سے متصادم کسی بل کے پاس ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ یہ جذبہ بہت قابلِ قدر ہے اور ایسے جذبہ رکھنے والے حضرات سے توقع بلکہ یقین رکھا جا سکتا ہے کہ وہ جو جو قوانین بھی اپنے ملک میں قرآن وسنہ کے خلاف پائیں گے ان کو ضرور قرآن وسنہ کے موافق بنانے کی کوشش کریں گے، اسی کوشش اور عدم کوشش سے اس چیز کا امتحان بھی بہت آسانی کے ساتھ ہو سکے گا کہ مذکورہ دعوے میں کتنی صداقت ہے؟

کیونکہ ہمارے لئے یہ بات تو ممکن نہیں کہ دستورِ پاکستان کے تمام قوانین کا فرداً فرداً جائزہ لے کر کوئی رائے قائم کر سکیں، لیکن چند عائلی مسائل پر مختصر روشنی ڈالیں گے تا کہ ان مسائل کی روشنی میں دیگر قوانین کے بارے میں بھی کوئی تصور قائم کیا جا سکے۔

طلاق کے احکام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب عائلی مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''احکام طلاق کے سلسلے میں آرڈی نینس نے جو قوانین وضع کئے ہیں، وہ تقریباً ہر قدم پر قرآن کریم اور سنتِ نبویہ سے متصادم ہیں (ہمارے عائلی مسائل ص ۱۱۸ دفعہ نمبر ۷)

اور نکاح اور طلاق کے سلسلے میں قرآن وسنت کے موقف کو چند اصولی باتوں کی روشنی میں واضح فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے بعد آپ آرڈی نینس کو دیکھئے''۔ آرڈیننس کی اس دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جب طلاق دے دی جائے تو شوہر کو یونین کونسل کے چیئرمین کو اس امر کی اطلاع دینی

ہوگی۔ چنانچہ اس اطلاع کے موصول ہونے پر چیئر مین فریقین کے نمائندوں کی مدد سے مصالحت کرانے کی کوشش کرے گا، اس کوشش کے ناکام ہوجانے کے بعد چیئر مین کو طلاق کی اطلاع کے بعد سے نوے دن بعد یا بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں نوے دن اور وضع حمل میں سے طویل ترین مدت کے بعد جدائی عمل میں لائی جائے گی، اس سے پہلے طلاق مؤثر نہ ہوگی ۔اس مدت میں ثالث کے علاوہ شوہر کے لئے بھی طلاق کے فیصلہ کو ختم کردینے کا اختیار ہوگا اور تین ماہ یا وضع حمل کے بعد جب جدائی عمل میں آجائے تو شوہر اپنی بیوی سے دوبارہ شادی کر سکے گا، لیکن تیسری مرتبہ مذکورہ بالا طریقہ پر طلاق کے مؤثر ہونے کی صورت میں یہ حق باقی نہ رہے گا، چیئر مین کو طلاق کی اطلاع نہ دینا قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے قید محض یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی‘‘

آرڈی نینس کے خط کشیدہ جملوں کا مذکورہ بالا تفصیل سے موازنہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ آرڈی نینس قرآن وسنت سے چھ چیزوں میں ٹکرا رہا ہے

(۱)......آرڈینس میں طلاق کے بعد ثالثی کے ذریعہ مصالحت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور قرآن کریم نے طلاق سے پہلے مصالحت کی فکر کرنے کو کہا ہے۔

(۲)......آرڈینس میں عدت گزرنے تک طلاق کو بالکل بے اثر قرار دیا گیا ہے۔حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے طلاق کا ایک اثر (پہلے شوہر کے لئے حرام ہونا) تو ہر حال میں طلاق کا لفظ بولتے ہی شروع ہوجاتا ہے۔اور اگر شوہر نے بیوی سے خلوت کئے بغیر طلاق دے دی ہے تو دوسرا اثر یعنی دوسروں سے نکاح کرنے کا جواز بھی فوراً مرتب ہوجاتا ہے۔

(۳)......آرڈی نینس میں عدت کا شمار چیئر مین کو طلاق کی اطلاع کے بعد سے کیا گیا ہے حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے اس کا شمار طلاق کے تلفظ کے فوراً بعد سے شروع ہوجاتا ہے۔

(۴)......بیوی کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈی نینس نے عدت کی مدت نوے دن مقرر کردی ہے، حالانکہ قرآن کریم نے تین ایام ماہواری بتلائی ہے، خواہ وہ کتنے دن میں بھی ہوں۔

(۵)......بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈی نینس نے عدت نوے دن اور وضع حمل میں سے طویل تر مدت کو قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم حاملہ کی عدت علی الاطلاق وضع حمل

بیان کرتا ہے، خواہ وہ ایک ہی دن میں ہو جائے۔

(۶)......آرڈیننس میں عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز رکھا ہے، بجز اس کے کہ نکاح تین مرتبہ علیٰحدہ علیٰحدہ فسخ ہو چکا ہو، یعنی ایک مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کرلیا گیا یا تجدیدِ نکاح کرلی گئی، پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہو، اب تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو پھر دوبارہ نکاح بغیر دوسرے شخص سے شادی کئے جائز نہ ہوگا، اس صورت کے علاوہ ہر صورت میں آرڈی نینس نے شوہرِ اوّل سے نکاح کو جائز رکھا ہے......اس کے خلاف آپ نے پڑھا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں بھی ویسا ہی اثر رکھتی ہیں جیسا کہ الگ الگ دی ہوئی طلاقیں......اور اس پر صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہؒ اربعہ کا اجماع ہے، بعض اسلامی فرقے جو اس مسئلہ میں پوری امت سے مختلف رائے رکھتے ہیں ان کے نزدیک بھی اگر تین طلاقیں تین مختلف طہروں میں دی جائیں تو پہلے شوہر سے نکاح جائز نہیں رہتا، مگر آرڈی نینس کی رُو سے اس صورت میں بھی اسے جائز رکھا گیا ہے۔

ان چھ غلطیوں میں سے پانچ تو ایسی ہیں جو قرآن کریم کے بالکل صریح الفاظ کے خلاف ہیں اور ان کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی، جن لوگوں نے عائلی قوانین کی وکالت میں مضامین لکھے ہیں وہ بھی ان کی کوئی تاویل نہیں کرسکے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں بے بس ہوکر اعتراف کرلیا ہے کہ یہ واقعی قرآن کریم کے خلاف ہیں اور بعض لوگ ان باتوں کو سرے سے گول ہی کر گئے ہیں (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰)

خلع کا قانون

۱۹۶۷ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے بعض جج صاحبان نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر عدالت تحقیق کے ذریعہ اس نتیجے پر پہنچے کہ میاں بیوی کے درمیان تنازعہ اور اختلاف ہے، بیوی شوہر کے ساتھ رہنے پر رضا مند نہیں تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کراسکتی ہے۔ اور ہماری عدالتوں سے اسی کے مطابق فیصلے جاری ہوتے ہیں حالانکہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ''خلع'' شوہر اور بیوی کا ایک باہمی معاملہ ہے جو فریقین کے رضامندی پر موقوف ہے۔

اس موضوع پر کئی اہلِ علم حضرات نے تفصیلی مقالہ جات اور رسائل تحریر کئے ہیں اور دلائل کے ساتھ واضح

کیا ہے کہ خلع شوہر کی رضامندی کے بغیر درست اور معتبر نہیں (دلائل کے لئے ملاحظہ ہو ''اسلام میں خلع کی حقیقت'' از سابق جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم)

پوتے کی میراث

پوتے کی میراث کا قانون ہمارے ملک میں کیا ہے، اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

دفعہ چار پر غور فرمائیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہوجائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں) بحصہ رسدی وہی حصہ ملے گا جو اس لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو) زندہ ہونے کی صورت میں ملتا''

یہ مسئلہ ''یتیم پوتے کی میراث'' کے نام سے مشہور ہے، منکرینِ حدیث نے اسے کئی بار اُٹھایا اور عائلی قوانین کے نفاذ سے بہت پہلے علماء نے اس پر سیر حاصل بحث کر کے اسے اس قدر نکھار دیا تھا کہ اس کے بعد کسی بھی حق پسند اور سلیمُ الفکر انسان کو اس میں شبہ پیدا نہ ہونا چاہیئے تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ دیئے بغیر ایک صریح خلافِ شریعت حکم کو قانونی حیثیت دیدی گئی (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۲۵)

اور بھی کئی علماء نے پوتے کی میراث کے اس مذکورہ قانون کے قرآن وسنہ کے خلاف اور قرآن وسنہ سے متصادم ہونے پر مستقل رسائل اور مقالے تحریر فرمائے ہیں۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرحوم کی جو اولاد اس کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھی، تو اس فوت شدہ اولاد کی اولاد کو مرحوم (دادا) کے بیٹے کے ہوتے ہوئے میراث کا حق نہیں پہنچتا۔

اور اس پر تمام صحابہ اور علماء کا اجماع ہے (ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری جلد ۲۳، صفحہ ۲۳۸ وتفسیر احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰۱، للجصاص)

ایک سے زیادہ شادیاں کرنا

ہمارے ملک میں پہلے سے موجود بیوی کی باضابطہ اجازت کے بغیر ضرورت پڑنے پر بھی دوسری شادی کی قانوناً اجازت نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس ضمن

میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکے گا، ساتھ ہی اسے دوسری شادی کرنے کی وجوہ بھی بیان کرنی ہوں گی، ثالثی کونسل یہ تحقیق کرے گی کہ آیا یہ دوسری شادی پہلی بیوی کی رضامندی سے ہو رہی ہے یا نہیں؟

جو شخص اس طرح اجازت لئے بغیر شادی کر لے وہ ایک سال تک کی قید یا پانچ ہزار تک کا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا، نیز اسے پہلی بیوی یا بیویوں کو مہر فوراً دینا پڑے گا، خواہ وہ معجّل ہو یا مؤجل، تعددِ ازواج پر یہ غیر معمولی پابندیاں اس ذہنیت کی نشان دہی کرتی ہیں کہ واضعینِ قانون کی نظر میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ایک برائی ہے، جسے صرف مجبوری کے حالات ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔

یہ ذہنیت قران وسنت اور تمام امت کے تعامل کے پیشِ نظر کہاں تک درست اور حق بجانب ہے؟ ذیل کے دلائل سے معلوم ہوگا (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۶۲)

آگے مفتی صاحب نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ایک مسلمان چار تک شادیاں کر سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی اسے عدل وانصاف کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ عدل وانصاف نہ کر سکے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے، لہٰذا ہر حال میں خواہ کسی کو ضرورت ہو یا نہ ہو اور خواہ عدل وانصاف قائم کر سکتا ہو یا نہ، دوسری شادی پر پابندی لگانا اور بیوی کی رضامندی پر اس کو موقوف رکھنا قرآن وسنہ سے متصادم ہے۔

نکاح کی عمر

اس ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے اور سولہ سال سے کم لڑکی کا نکاح قانوناً ممنوع ہوگا۔

اس دفعہ کا مقصد غالباً ان مفاسد کو دُور کرنا ہے کہ جو کمسنی کی شادیوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں، جہاں تک اس مقصد کی صحت اور افادیت کا تعلق ہے، وہ بلاشبہ اپنی جگہ پر مسلَّم ہے، لیکن جیسا کہ ہم آگے تفصیل کے ساتھ عرض کریں گے، ان مفاسد کا صحیح حل یہ نہیں کہ سرے سے

کمسنی کی شادیوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے، کیونکہ بسا اوقات ایک شخص مختلف وجوہ کی بناء پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے کمسن بچوں کی شادی فوراً کرادے، اسی مصلحت کے پیشِ نظر اسلامی شریعت نے کمسنی کی شادیوں کو ممنوع قرار نہیں دیا۔لیکن ہمت افزائی بھی نہیں کی (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۱۵۷)

یہ قانون جس اطلاق اور عموم کے ساتھ بنایا گیا ہے، یہ بھی قرآن وسنہ سے متصادم ہے۔

ہم نے قرآن وسنہ کے خلاف یا قرآن وسنہ سے متصادم ہونے کے بارے میں چند قوانین بطور ''مشتے نمونہ ازخروارے'' صرف حوالہ اور مثال کے طور پر پیش کئے ہیں، ہمارے مقتدر حضرات جو قرآن وسنہ سے کسی قانون کے خلاف اور متصادم نہ ہونے کے مدعی ہیں، اگر وہ نیک نیتی اور انصاف کے ساتھ غور وفکر فرمائیں گے تو اس قسم کے قوانین کو قرآن وسنہ کے موافق بنانے میں وہ اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں، ہاں نیک نیتی، اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے منصبی ذمہ داریوں کا احساس اور خداخوفی ودین کی فکر ہونا شرط ہے۔

وعظ اور تبلیغ میں فرق

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے، جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں، اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے، تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ شریعت کے موافق ہو، کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جاسکے۔

اور تبلیغ جس کے معنیٰ صرف پیام پہنچادینے کے ہیں، کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں، جن اکابر کے کلام میں تبلیغ علماء کے ساتھ مخصوص ذکر کی گئی ہے، وہ حقیقت میں تبلیغ کے لفظ کو عام سمجھ کر اس کا اطلاق کردیا گیا ہے، ورنہ نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں، ان ہی کی مشق کروائی جاتی ہے، اور ان ہی کو پیام کے طور پر لے کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے۔ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو'' (جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۷، ۴۸، در ذیل اشکال نمبر ۶)

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۲۷، آیت نمبر ۳۶) مفتی محمد رضوان

حضرت آدم وحوّا کو شیطان کا بہکانا

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ. وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: پھر لغزش دیدی آدم وحوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے، سو نکالا ان دونوں کو اس عیش (وآرام) سے جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ تم نیچے اُترو، تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن ہوں گے، اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک (مخصوص) وقت تک ۞

تفسیر وتشریح

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہر جانے کا حکم اور ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرما دیا، تو شیطان جو کہ اپنے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خار لئے بیٹھا تھا، اور حسد کی آگ میں اندر ہی اندر جل اور کُڑھ رہا تھا، اسے کیسے سکون مل سکتا تھا، اس نے اپنا حربہ چلایا۔

﴿**فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا**﴾ "پھر لغزش دیدی آدم وحوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے"

زَلَّةٌ کے معنیٰ عربی لغت میں لغزش کے ہیں، اِزْلَالٌ کے معنیٰ ہیں "کسی کو لغزش دینا" معنیٰ یہ ہیں کہ شیطان نے آدم وحوا کو لغزش دیدی، قرآن کے یہ الفاظ صاف اس کا اظہار کر رہے ہیں، کہ حضرت آدم وحوا کی یہ خلاف ورزی اس طرح کی نہ تھی جو عام گناہگاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطانی تلبیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہوکر ایسے اقدام کی نوبت آگئی، کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا، اُس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے۔
عَنْهَا میں لفظِ عَنْ سبب کے معنیٰ میں ہے، یعنی اُس درخت کے سبب وذریعہ سے شیطان نے آدم وحوّا کو لغزش میں مبتلا کر دیا (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۹۲ بتغیر)

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدے سے انکار کی بناء پر پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تھا، تو یہ آدم وحوا کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کا بے غبار جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جنات

Idara Ghufran

کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے ، ان کو مختلف شکلوں میں ظاہر ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے ، ہوسکتا ہے کہ اپنی قوتِ جِنّیہ کے ذریعہ صورت و ہیئت بدل کر آدم وحواء کے ذہن کو متأثر کیا ہو ، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی دوسری شکل میں مثلاً سانپ وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہو ، اور شاید یہی سبب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا ، قرآن مجید کی آیت **قَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ .** سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ اور ذہنی اثر ڈالنے سے کام نہیں لیا بلکہ آدم وحوا سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متأثر کیا (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۹۳ بتغیر)

﴿**فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ**﴾ ”سو نکالا ان دونوں کو اس عیش (و آرام) سے جس میں وہ تھے“

یعنی شیطان نے دھوکہ اور لغزش کے ذریعہ آدم وحوا علیہما السلام کو ان نعمتوں سے نکال دیا ، جن میں وہ آرام سے گذر بسر کر رہے تھے ، یہ نکالنا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ، مگر اس کا سبب شیطان بنا تھا ، اس لئے نکالنے کی نسبت اُس کی طرف کر دی گئی ۔

﴿**وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ**﴾ ”اور ہم نے کہا کہ تم نیچے اُترو ، تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن ہوں گے“

یعنی ہم نے حکم دیا کہ نیچے اُتر جاؤ ، اس حکم کے مخاطب حضرت آدم وحوا ہیں ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے :

قُلْنَا اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعاً (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۳) یعنی دونوں کے دونوں جنت سے اترو

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ **اِهْبِطُوْا** جمع کا صیغہ ہے ، جو عربی قاعدہ کے لحاظ سے کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے ، اور مراد یہاں دو افراد یعنی آدم وحوا ہیں ، تو اُن کو جمع کے صیغے کے ساتھ جنت سے اُترنے کا حکم دینا کیسے درست ہوا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم کے تمام انسانوں کے باپ اور حضرت حوا کے تمام انسانوں کی ماں ہونے کی وجہ سے یہ دونوں افراد تمام انسانوں کے قائم مقام تھے ، اس لئے تمام انسانوں کی اس نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں جمع کے صیغے کے ساتھ حضرت آدم وحوا کو جنت سے اُتر جانے کا حکم فرمایا ، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب شیطان کو بھی ہو (معارف القرآن ادریسی جلد ا صفحہ ۱۳۲ و جلد ۵ ص ۷۰ بتغیر)

اور جو یہ فرمایا کہ ”تم میں بعضے بعضوں کے دشمن ہونگے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری (آدم وحوا) کی اولاد میں باہم عداوت ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ شیطان کے ساتھ تمہاری (آدم وحوا اور اولاد کی) عداوت

کا سلسلہ دنیا میں بھی جاری رہے گا (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۹۳ بتغیر)

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ﴾

''اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک (مخصوص) وقت تک''

یعنی آدم وحوا علیہما السلام کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور ایک متعین میعاد تک کام چلانا ہے، یعنی زمین پر جا کر بھی دوام نہ ملے گا، کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا اور وہ متعین میعاد ہر شخص کے لحاظ سے تو موت ہے اور پوری دنیا کے لحاظ سے قیامت ہے (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۹۳ ومعارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۳۲ بتغیر)

انبیائے کرام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں

چاروں فقہائے امت سمیت جمہورِ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ومحفوظ اور پاک ہوتے ہیں (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۹۵)

عصمت یا معصوم ہونے کا معنیٰ ومطلب

عصمت کا معنیٰ یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے پاک ہو، اور معصیت یعنی گناہ کا اصل مادہ یہی دو چیزیں ہیں، یعنی ایک نفس اور دوسرے شیطان، جو ہستی عقائد سے لے کر افعال وعادات تک میں نفس اور شیطان کی دخل اندازی سے پوری طرح محفوظ اور پاک ہو اس ہستی کو ''معصوم'' کہا جاتا ہے، تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں (معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۳۵ بتغیر)

معصیت اور گناہ کا مطلب

معصیت یا گناہ کا مطلب یہ ہے کہ قصداً وعمداً اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی جائے، اور جو مخالفت خطا ونسیان سے یا عظمت یا محبت کے غلبہ کے تقاضا سے سرزد ہو اس کو معصیت وگناہ نہیں کہتے بلکہ اس کو لغزش اور ''زَلَّةٌ'' کہتے ہیں (معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۳۷ بتغیر)

اور سہو ونسیان وغیرہ کی وجہ سے بھی انبیاء سے غلطی ایسے کاموں میں نہیں ہوسکتی جن کا تعلق تبلیغ وتعلیم اور شرعی احکام سے ہو بلکہ ان سے ذاتی افعال واعمال میں ایسا سہو ونسیان ہوسکتا ہے (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۹۶ بتغیر)

حضرت آدم علیہ السلام سے یہ لغزش اور زلت نسیان کی وجہ سے تھی شیطان نے جب اللہ کی قسم کھائی تو دھوکے میں آ گئے اور یہ سمجھ کہ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ یہ صورت کے اعتبار سے تو معصیت اور

گناہ تھی لیکن حقیقت کے اعتبار سے گناہ نہیں تھی (عقائد الاسلام ادریسی حصہ اول ص ۴۶ بتغیر)

انبیائے کرام کے گناہوں سے معصوم و پاک ہونے کی تفصیل

بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم السلام مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق چار چیزوں میں معصوم ہوتے ہیں:

(۱)......عقائد: اہلِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پیدائش سے ہی توحید اور ایمان پر قائم ہوتے ہیں اور کفر و شرک کی گندگیوں سے پوری طرح پاک ہوتے ہیں، سہو اور نسیان وغیرہ کی وجہ سے بھی ان سے کفر اور اعتقادی گمراہی سرزد نہیں ہوسکتی۔

(۲)......احکام کی تبلیغ: پوری امت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ میں بھی انبیائے کرام علیہم السلام معصوم اور پاک ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ میں وہ جھوٹ اور ردوبدل سے بالکل پاک وصاف ہوتے ہیں، اس میں ان سے نہ قصداً وعمداً کوئی غلطی ہوسکتی ہے اور نہ سہواً ونسیاناً۔

(۳)......فتویٰ واجتہاد: علمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام وحی کے انتظار کے بعد کبھی کبھی ان احکام میں جن کا کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا ہوتا، وہ اجتہاد فرماتے ہیں، اور اگر ان غیر منصوص چیزوں میں کسی وقت اجتہادی خطاء ان سے سرزد ہوجاتی ہے تو وہ اس اجتہادی خطاء پر بھی قائم نہیں رہتے، بلکہ وحی کے ذریعہ سے فوراً اُن کو آگاہ اور متنبہ کردیا جاتا ہے۔

(۴)......ذاتی افعال وعادات: اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے ذاتی افعال وعادات میں گناہوں سے تو بالکل پاک وصاف ہوتے ہیں، البتہ خلافِ اولیٰ چیزیں ان سے کبھی کبھی قصداً وارادتاً نہیں بلکہ سہو، نسیان اور بھولے سے سرزد ہوجاتی ہیں، ایسی چیزیں ظاہر میں اگرچہ گناہ محسوس ہوتی ہیں (اور بعض اوقات ایسی چیزوں کو لفظی طور پر معصیت یا صغیرہ گناہ سے تعبیر کردیا جاتا ہے) مگر حقیقت میں ان سے کسی شرعی حکم کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو پیش آیا اور ایک مرتبہ سفر میں نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز قضا ہوگئی ان کا مقصد یہ تھا کہ امت کو سجدہ سہو اور قضا نماز کا حکم معلوم ہوجائے (معارف القرآن ادریسی جلد ا صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۱ بتلخص وتغیر وعقائد الاسلام ادریسی حصہ دوم ص ۶۵)

انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب بندے ہوتے ہیں، اور ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند مقام ہوتا ہے، اس لئے ان کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور بھول چوک پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوجایا کرتی ہے (معارف القرآن عثمانی ج ۶ ص ۱۵۵ بتغیر)

Idara Ghufran

درسِ حدیث مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

استخارہ کے فضائل واحکام (قسط ۱)

’’عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَۃَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ ،یَقُوْلُ:اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ،ثُمَّ لِیَقُلْ :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ،وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ ،فَاِنَّکَ تَقْدِرُوَلَا اَقْدِرُوَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ،وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ،اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَاالْاَمْرَخَیْرٌلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ، اَوْقَالَ :عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِیْ،وَیَسِّرْہُ لِیْ،ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ ، وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَاالْاَمْرَشَرٌّلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ،اَوْقَالَ،عَاجِلِ اَمْرِیْ،وَآجِلِہٖ،فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاَقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ‘‘

قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیْ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیْ وَالنِّسَائِیْ وَابْنُ مَاجَۃ(الترغیب والترہیب،ج ۱ ص ۲۷۵،۲۷۶،کتاب النوافل) [۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کوتمام کاموں میں استخارہ (اس طرح اہتمام وتاکید کے ساتھ)سکھایا کرتے تھے،جس طرح (اہتمام وتاکید کے ساتھ) ہم کو قرآن مجید کی سورت سکھلایا کرتے تھے،آپ ﷺ ارشادفرمایا کرتے تھے،کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کوکرنا چاہے تو دورکعت نفل پڑھے،اوراس کے بعد یوں کہے:

’’یااللہ!میں آپ کے علم کے واسطہ اورذریعہ سے آپ سے خیر چاہتا ہوں،اورمیں آپ کی

---

[۱] اخرجہ البخاری فی التہجد باب ۲۵،والدعوات باب ۴۹،والتوحید باب ۱۰، وابوداؤد فی الوتر باب ۳۱، والترمذی فی الوتر باب ۱۸،والنسائی فی النکاح باب ۲۶و۲۷،وابن ماجہ فی الاقامۃ باب ۱۸۸.

Idara Ghufran

قدرت کے واسطہ اور ذریعہ سے آپ سے قدرت وطاقت چاہتا ہوں، اور میں آپ سے آپ کے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں (بلکہ محتاج ہوں) اور آپ علم رکھتے ہیں اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علاَّ مُ الغیوب (یعنی غیب کا کُلّی اور پوری طرح علم رکھنے والے) ہیں (کہ کس چیز میں خیر ہے اور کس چیز میں شر ہے) یا اللہ اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے، نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کررہا ہوں) میرے حق میں خیر اور بھلائی والا ہے، میرے دین کے لیے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے''یا نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ''میرے انجام کار کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، اور میرے لئے فی الحال بھی خیر اور بھلائی والا ہے، اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، تو اس کو میرے لئے مقدَّر اور تجویز فرما دیجئے، اور اس کو میرے لیے آسان بھی فرما دیجئے، اور پھر اس میں میرے لیے برکت بھی پیدا فرما دیجئے، اور اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے، نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کررہا ہوں) میرے حق میں شر اور برائی والا ہے، میرے دین کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، اور میرے انجام کار کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے''یا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ''میرے لئے فی الحال بھی شر اور برائی والا ہے اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، تو ہٹا دیجئے (اور دور کردیجئے) اس کو مجھ سے، اور ہٹا دیجئے (اور دور کردیجئے) مجھے اس سے، اور (اس کے بدلے) مقدَّر (اور نصیب وتجویز) کردیجئے میرے لئے خیر اور بھلائی، جہاں کہیں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی (اور مطمئن) بھی کردیجئے۔

راوی کہتے ہیں کہ (یہ دعا کرتے وقت) اپنی ضرورت کو متعین کرلینا چاہئے (ترجمہ ختم)

حدیثِ استخارہ کی تشریح

یہ استخارہ کی مشہور حدیث ہے جس میں استخارہ کی دو رکعت نفل نماز اور اس کے بعد دعا کر ذکر ہے، اور کیونکہ یہ حدیث بہت سی قیمتی نصیحتوں اور فائدوں پر مشتمل ہے، اس لئے پہلے مذکورہ حدیث کے

الفاظوں اور جملوں کی الگ الگ توضیح وتشریح کی جاتی ہے۔

﴿ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَۃَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ ﴾

ترجمہ: ’’رسول اللہ ﷺ ہم کو تمام کاموں میں استخارہ (اس طرح اہتمام وتاکید کے ساتھ) سکھایا کرتے تھے، جس طرح (اہتمام وتاکید کے ساتھ) ہم کو قرآن مجید کی سورت سکھلایا کرتے تھے‘‘

تشریح: ......اس جملہ سے استخارہ کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جس طرح قرآن مجید کی سورت کا سیکھنا اہم اور ہر مسلمان کی شان ہے، اور جس طرح قرآن مجید کی سورت برکت واحترام کی چیز ہے، اسی طرح استخارہ بھی ہے، اور جس طرح قرآن مجید میں کسی تبدیلی اور کمی زیادتی کی اجازت نہیں اور کسی تاویل کا احتمال نہیں، اسی طرح استخارہ میں حضور ﷺ کے بیان فرمودہ استخارہ کے مبارک کلمات میں بھی کسی قسم کی تبدیلی اور کمی زیادتی نہیں کرنی چاہئے، اور اس مبارک استخارہ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے۔ [۱] اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو مسنون استخارہ چھوڑ کر دوسرے مختلف قسم کے غیر مستند استخاروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یا استخارہ کے بجائے نجومیوں وغیرہ سے غیبی امور دریافت کر کے اپنے سر پر گناہوں کا وبال ڈالتے ہیں، لہٰذا جو شخص بھی مسنون استخارہ چھوڑ کر کسی غیر شرعی چیز کو اختیار کرے گا تو وہ خیر سے محروم رہے گا، اور حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے بنائے اور بتلائے ہوئے طریقہ کو ترجیح دینے والا شمار ہوگا، اور ایسے شخص کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ دنیا آخرت میں اپنی جان، اپنی اولاد یا اپنے مال وغیرہ میں کسی آزمائش کا شکار ہو جائے۔

﴿ یَقُوْلُ: اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ ﴾

ترجمہ: ’’آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کو کرنا چاہے تو دو رکعت نفل پڑھے‘‘

تشریح: ......اس سے معلوم ہوا کہ استخارہ کا عمل کسی کام کے وہم یا وسوسہ کے وقت نہیں بلکہ جب کسی کام کو کرنے نہ کرنے کا ارادہ کرے اس وقت ہے، استخارہ سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم اس لئے ہے کہ

---

[۱] (کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ) وھٰذا یدل علی شدۃ الاعتناء بھٰذا الدعاء (المرقاۃ شرح المشکوٰۃ ج۳ ص۲۰۶)

استخارہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حاجت کے پورے ہونے کا معاملہ رکھتا ہے، اور اس اہم کام کا آغاز نماز سے زیادہ کسی اور چیز کو انسان کی حاجت پورے ہونے میں دخل نہیں، ن، از میں بندہ اپنے رب سے م ناجات کرتا ہے، اور وہ دنیا سے اعرض کر کے عاجزی، انکساری اور خشوع و خضوع کے ساتھ قیام، قرأت، رکوع سجود وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کے حضور پیش ہوتا اور اپنے مقاصد کے حل ہونے میں مدد حاصل کرتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَیَقُلْ ،اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ ﴾

ترجمہ: ''اور اس کے بعد یوں کہے: ''یا اللہ! میں آپ کے علم کے واسطہ اور ذریعہ سے آپ سے خیر چاہتا ہوں''

تشریح:......اَللّٰھُمَّ کے معنیٰ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ ''اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں'' اس مبارک کلام میں لفظِ ''اللہ'' بھی موجود ہے، جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے تمام صفاتی ناموں کا مرجع ومنبع ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں آپ کے علم کے ذریعہ سے خیر کا طلبگار ہوں، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور کامل ومکمل ہے، جس میں کسی قسم کا نقص اور کمی وکمزوری نہیں، برخلاف مخلوق کے علم کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں بہت ناقص اور کمزور ہے، پس بندہ ان الفاظ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے کامل اور مکمل علم کی روشنی میں خیر کو طلب کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ابتدائی وانتہائی، ظاہری اور باطنی علم سے پوری طرح باخبر اور واقف ہیں، لہٰذا جس کام کی خیر کو اللہ تعالیٰ کے علم کے واسطہ سے طلب کیا جائے گا، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ابتداء وانتہاء اور ظاہر وباطن کے اعتبار سے خیر وعافیت والا ہوگا۔

﴿ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ﴾

ترجمہ: ''اور میں آپ کی قدرت کے واسطہ اور ذریعہ سے آپ سے قدرت وطاقت چاہتا ہوں''

تشریح:......ان الفاظ کے ذریعہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی ازلی وابدی بے انتہاء قدرت کا واسطہ دے کر خیر طلب کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں بندہ کی قدرت انتہائی ناقص اور کمزور ہے، پس جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تائید ونصرت حاصل ہوگئی تو اس کو (دنیا یا آخرت یا دونوں) کا

Idara Ghufran

سکون اور راحت حاصل ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا اور سب سے بڑی راحت تو یہی ہے کہ اس نے اپنی تمام تدبیر واختیار اور غور وفکر کی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپر کر دیا، ان الفاظ سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ بندہ جس کارِ خیر پر اپنی تدبیر واختیار سے قادر نہیں ہوتا اور جس معاملہ کے نتیجہ وانجام کو اپنی عقل کے غور وفکر سے حاصل نہیں کر پاتا، اس دعا کی برکت سے اس کو اللہ ربُّ العزت کی طرف سے کارِ خیر کو انجام دینے کی قدرت عطا کی جاتی ہے، اور اس خیر کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور فرمائی جاتی ہیں اور اس کی ذہنی وعقلی صلاحیتوں کو فتنوں سے مامون ومحفوظ کیا جاتا ہے۔

﴿وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ﴾

ترجمہ: ’’اور میں آپ سے آپ کے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں‘‘

تشریح:......ان مبارک کلمات کے ذیعہ سے بندہ اپنے رب سے فضلِ عظیم کا طالب ہوتا ہے، اور یہ بات کسی تشریح وتفصیل کی محتاج نہیں کہ جس بندہ کو اس کے رب کی طرف ’’فضلِ عظیم‘‘ کی نعمت ودولت حاصل ہوجائے وہ دوسری تمام چیزوں سے مستغنی اور بے نیاز ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فضل کسی قانون وضابطہ کا محتاج نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ کا فضل کسی چیز پر متوجہ ہوتا ہے تو قانون اور ضابطوں کی حد بندیوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر قسم کے قانون اور ضابطہ سے اعلیٰ وارفع ہے۔

﴿فَاِنَّکَ تَقْدِرُوَلَااَقْدِرُوَتَعْلَمُ وَلَااَعْلَمُ ،وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾

ترجمہ: ’’کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں (بلکہ محتاج ہوں) اور آپ علم رکھتے ہیں اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب (یعنی غیب کا خوب خوب اور پوری طرح علم رکھنے والے) ہیں (کہ کس چیز میں خیر ہے اور کس چیز میں شر ہے)‘‘

تشریح:......ان دعائیہ کلمات کے ذریعہ سے بندہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق (مکمل قادر) اور اپنے عاجزِ مطلق (مکمل عاجز) اور اللہ تعالیٰ کے عالِمِ مطلق (مکمل عالم) اور اپنے جاہلِ مطلق (مکمل جاہل) ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کے عالمُ الغیبِ والشہادۃِ ہونے کا اعتراف کرتا ہے، پس جس نے تمام طاقتوں کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تمام غیر اللہ کے علم کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کے علم کا سہارا پکڑ لیا، اس کو دوسری کوئی طاقت عاجز نہیں کر سکتی، اور اس چیز کی چھپی ہوئی اور نتیجہ خیز خیر سے محروم نہیں کر سکتی۔

﴿اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَاالْاَمْرَخَیْرٌلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ، اَوْقَالَ :عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِہٖ ﴾

ترجمہ: ''یااللہ اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے ،نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کر رہا ہوں) میرے حق میں خیر اور بھلائی والا ہے، میرے دین کے لیے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، اور میرے انجام کار کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے'' یا نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ'' میرے لئے فی الحال بھی خیر اور بھلائی والا ہے، اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے''

تشریح:......راوی کو اس بارے میں شک پیدا ہو گیا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ''**وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ**'' فرمایا، یا ''**عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِہٖ**'' اس لئے احتیاط کا تقضا یہ ہوا کہ دونوں الفاظ جمع کر لئے جائیں تاکہ نبی علیہ السلام کے بیان فرمادہ یقینی الفاظ کی برکت اپنی ذات کے لئے حاصل کی جاسکے، [1]

اب یہاں ان دونوں الفاظ کو ملا کر غور فرمایئے کہ بندہ ان الفاظ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کی روشنی میں جو کام دین ودنیا کے اعتبار سے اور انجام کار کے اعتبار سے نیز فی الحال اور آئندہ کے اعتبار سے خیر والا ہوتا ہے، اس کو اپنے لئے مقدر کرنے کی دعا کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کام اور کسی چیز کے دین ودنیا کے اعتبار سے ،اور اس کے انجام کار کے اعتبار سے نیز اس کے فی الحال اور آئندہ کے اعتبار سے خیر والا ہونے کو اور کون جان سکتا ہے؟ لہٰذا جو بندہ ان الفاظ کے ذریعہ سے دعا کرتا ہے وہ گویا کہ اس چیز کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے خیر والا ہونے کا سوال کرتا ہے۔

﴿فَاقْدِرْہُ لِیْ،وَیَسِّرْہُ لِیْ،ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ ﴾

ترجمہ: ''تو اس کو میرے لئے مقدّر اور تجویز فرمادیجئے، اور اس کو میرے لیے آسان بھی فرمادیجئے، اور پھر اس میں میرے لیے برکت بھی پیدا فرمادیجئے''

تشریح:...... کتنے مبارک الفاظ ہیں کہ بندہ ہر اعتبار سے خیر کا سوال کرنے کے بعد اس چیز کو اپنے حق میں مقدر کرنے کا بھی اپنے رب سے سوال کرتا ہے، اور پھر اس کام میں اپنے لئے آسانی پیدا کرنے کی بھی دعا کرتا ہے، اور ساتھ ہی اپنے لئے اس کام میں برکت ڈال دینے کی بھی استدعا کرتا ہے، غرضیکہ خیر والے کام کو مقدّر کرنے، آسان کرنے اور اس میں برکت عطا فرمانے کی تین دعائیں ان مختصر کلمات میں

[1] وینبغی ان یجمع بین الروایتین فیقول وعاقبۃ امری وعاجلہ واجلہ(حلبی کبیر ص ۴۳۱)

جمع ہیں۔ پس اللہ کا جو بندہ اس بات پر راضی ہو گیا جو اس کے لئے عالم کی تمام چیزوں کے نتائج اور انجام، اور تمام چیزوں کے مصالح سے باخبر ذاتِ بابرکات نے اپنے ایسے علم کے ذریعہ سے اختیار و پسند فرمایا کہ اس کے علم سے نہ کوئی چیز ذرا آگے ہو سکتی ہیں اور نہ پیچھے، تو ایسا شخص بہت بڑی سعادت مندی سے سرفراز ہو گیا، پھر برکت کے مفہوم میں ہر طرح کی سلامتی اور عافیت شامل ہے، برکت ایک انتہائی جامع لفظ ہے، جو جسمانی و روحانی اعتبار سے ظاہری و باطنی ترقی اور سلامتی و عافیت سب کو شامل ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ، اَوْقَالَ، عَاجِلِ اَمْرِيْ، وَآجِلِهٖ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے، نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کر رہا ہوں) میرے حق میں شر اور برائی والا ہے، میرے دین کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، اور میرے انجام کار کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے'' یا نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ'' میرے لئے فی الحال بھی شر اور برائی والا ہے اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے،

تشریح:...... یہاں بھی راوی کو شک پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے'' **عَاقِبَةِ اَمْرِيْ** '' ارشاد فرمایا، یا'' **فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ** '' فرمایا، بہر حال یہاں بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں قسم کے الفاظ استخارہ میں جمع کر لئے جائیں تا کہ نبی علیہ السلام کے بیان فرمودہ یقینی الفاظ کی برکت اپنی ذات کے لئے حاصل کی جا سکے، اب یہاں بھی مذکورہ دونوں الفاظ ملا کر غور فرمایئے کہ جس طرح دین و دنیا، اور انجام کار کے اعتبار سے نیز فی الحال اور آئندہ کے اعتبار سے خیر والا ہونے کی صورت میں اس کے حصول، آسانی اور برکت کی تین دعائیں کی گئی تھیں، اسی طرح دین دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے نیز فی الحال اور آئندہ کے اعتبار سے شر والا ہونے کی صورت میں اس سے حفاظت کی یہ تینوں دعائیں کی جا رہی ہیں، وہاں خیر کے تمام پہلوؤں کا حاصل کرنا مقصود تھا تو یہاں شر کے تمام پہلوؤں سے بچنا مقصود ہے۔

''فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ''

ترجمہ: '' تو ہٹا دیجئے (اور دور کر دیجئے) اس کو مجھ سے، اور ہٹا دیجئے (اور دور کر دیجئے) مجھے اس

سے، اور (اس کے بدلے) مقدر (اور نصیب وتجویز) کر دیجئے میرے لئے خیر اور بھلائی، جہاں کہیں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی (اور مطمئن) بھی کر دیجئے''

تشریح:......ملاحظہ فرمائیے کس طرح شر کے ہر پہلو سے بچنے کی دعا کی جارہی ہے کہ پہلے کہا جا رہا ہے کہ اس شر والے کام کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور دور کر دیجئے، اور پھر کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی اس سے ہٹا دیجئے اور دور کر دیجئے یعنی شر سے بچنے کے لئے دونوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیجئے، اس میں شر سے پوری طرح دور ہونے اور ہر طرح اس سے محفوظ ہونے کا بہت عمدہ انداز اختیار کیا گیا ہے، گویا کہ شر سے بچنے اور دور ہونے کی مکمل صفت سے نواز دیجئے، اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مزید براں یہ بھی دعا کی جا رہی ہے کہ اگر خیر موجودہ کام اور موجودہ چیز میں نہیں ہے تو خیر جہاں کہیں بھی اور جس کام اور جس چیز میں بھی ہو، خواہ وہ اس وقت ذہن میں ہو یا نہ ہو، سامنے ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے، اور نہ صرف یہ کہ مقدر فرما دیجئے ساتھ ہی اس پر اپنی رضا اور خوش نودی کی نعمت سے بھی سرفراز فرما دیجئے، پس جو شخص اپنے رب عزوجل کا دامن پکڑ لے اور اس کی طرف عاجزی ولجاجت کے ساتھ ہر قسم کے شر کے دفع ہونے کے لئے متوجہ ہو جائے، تو اس کو ہر قسم کی مُضِر اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ ومامون ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

خلاصۂ کلام

پس ایسی کونسی دعا ہوگی جو ان بے شمار فوائد پر مشتمل اور اپنے لئے کسی چیز کے منتخب کرنے اور حاصل کرنے میں اس دعا سے زیادہ جامع ہوگی، اگر بالفرض دعا کی بدولت ظاہری اعتبار سے کوئی خیر وبرکت حاصل نہیں بھی ہو سکی تو کیا یہی سعادت کیا کم ہے کہ اس دعا کے پڑھ لینے سے حضور ﷺ کی پاکیزہ سنت پر عمل کی توفیق حاصل ہو جائے گی اور پھر اس سنت کی برکات تو یقیناً حاصل ہی ہوں گی، حضور ﷺ کی بابرکت زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا زبان سے ادا کر لینا بھی خیر کے حاصل ہونے کے لئے کافی وافی ہے۔

یا اللہ ہمیں اس سعادت کے حاصل کرنے کی بار بار توفیق عطا فرمائیے اور ہمیں اس سے محروم نہ فرمائیے۔ [۱]

(جاری ہے......)

---

[۱] حدیث استخارہ کی دعا کی مذکورہ تشریح میں زیادہ تر استفادہ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ کی کتاب ''المدخل''، ج۳، ص۳۸، فصل صفۃ الاستخارہ وفوائدہا'' اور کچھ دیگر کتب سے کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مصنف مذکور کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ محمد رضوان۔

بسلسلہ: تاریخی معلومات مولوی طارق محمود

ماہِ ذی الحجہ: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۰۳ھ:** میں حضرت ابوعثمان محمد بن ابوبکر البصری البرسانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کے اساتذہ میں ابنِ جریج، سعید بن ابی عروبۃ اور شعبہ رحمہم اللہ سرِ فہرست ہیں، احمد اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں، بغداد میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا، بصرہ میں وفات ہوئی ''وقیل فی سنۃ اربع'' (المنتظم ج۱۰ص۱۲۰)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۰۳ھ:** میں حضرت النضر بن شمیل بن حرشہ بن زید بن کلثوم بن عنزۃ بن زھیر بن عمرو بن حجر بن خزاعی بن مازن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۱۲۲ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ھشام بن عروہ، عثمان بن غیاث، اشعث بن عبدالملک الحمرانی اور بھز بن حکیم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راھویہ، اسحاق الکوسج، احمد بن سعید الدارمی اور احمد بن سعد الرباطی رحمہم اللہ، ذی الحجہ کی آخری تاریخ کو فوت ہوئے اور محرم کی پہلی تاریخ کو دفن ہوئے (سیر اعلام النبلاء ج۹ص۳۳۱)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۰۳ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن بکر عثمان البرسانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ابنِ جریج، ھشام بن حسان اور یونس بن یزید الایلی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد، اسحاق، بندار، اسحاق الکوسج اور محمد بن یحییٰ الذھلی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بصرہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۹ص۴۲۲)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۰۷ھ:** میں حضرت ابونعیم اسحاق بن الفرات التجیبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کا شمار مصر کے عظیم مفتیوں میں ہوتا تھا، حمید بن ھانی، یحییٰ بن ایوب، لیث اور مالک رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوالطاہر بن سرح، احمد بن عبدالرحمٰن بحشل، اور بحر بن نصر الخولانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۱۳۵ھ میں ولادت ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۹ص۵۰۴)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۰۷ھ:** میں مشہور مورخ ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد المدینی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ امام واقدی کے نام سے مشہور ہیں، ابنِ ابی ذئب، معمر بن راشد، مالک بن انس اور سفیان

الثوری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ مشرقی بغداد کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ کی کتب علمِ مغازی، سیرت، حدیث اور فقہ میں کافی مشہور ہیں، ۷۸سال کی عمر میں وفات ہوئی، ایسی غربت کی حالت میں وفات ہوئی کی کفن تک میسر نہیں تھا، خلیفہ مامون نے کفن کا بندوبست کیا، اور خیزران کے مقبرے میں دفن ہوئے (المنتظم ج۱۰ص۱۷۶، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۳۴، سیر اعلام النبلاء ج۹ص۴۵۷)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۱۱ھ**: میں حضرت ابوالعباس احمد بن ابی خالد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ خلیفہ مامون کے وزیر تھے، اور بڑے ذہین اور ذی رائے انسان تھے، مامون نے نمازِ جنازہ پڑھائی (المنتظم ج۱۰ص۲۴۴)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۱۸ھ**: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن بشر بن غیاث بن ابی کریمۃ المریسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے فقر و فاقہ والی زندگی بسر کی، اور تھوڑی بہت احادیث آپ سے مروی ہیں، حماد بن سلمہ اور سفیان بن عیینۃ رحمہما اللہ سے طلبِ علم کیا، اپنے دور کے مشہور مسئلہ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے قائل تھے (المنتظم ج۱۱ص۳۴)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۱۹ھ**: میں حضرت ابوالاسود النضر بن عبدالجبار المرادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابنِ لہیعہ، لیث بن سعد اور نافع بن یزید رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعبید، یحییٰ بن معین اور احمد صالح رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۱۴۵ھ میں ولادت ہوئی، قاضی ھارون رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص۵۶۸)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۰ھ**: میں حضرت محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ولادت ۱۹۵ھ میں ہوئی، اور مدینہ سے بغداد تشریف لائے، ھارون بن معتصم نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اپنے دادا موسیٰ بن جعفر کی قبر کے پاس دفن ہوئے (المنتظم ج۱۱ص۱۶۲)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۱ھ**: میں حضرت ابوعامر النبیل ضحاک بن مخلد الشیبانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کو بصرہ کا محدث کہا جاتا تھا، حدیث کی سماعت یزید بن ابی عبید اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے کی، اتنا وسیع علم تھا کہ کبھی کسی نے آپ کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعاصم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے جب سے سنا کہ غیبت حرام ہے، میں نے آج تک کسی کی غیبت نہیں کی (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۳۶۲، شذرات الذھب ج۱ص۲۸، الطبقات الکبریٰ ج۱ص۲۲۶، سیر اعلام النبلاء ج۹ص۴۸۳)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۲ھ**: میں حضرت ابوالیمان حکم بن نافع البہرانی الحمصی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، حدیث کی روایت حریز بن عثمان اوران کے طبقہ سے کرتے ہیں، امام احمد، ابن معین، محمد بن یحییٰ اور عمرو بن منصور رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، حمص کے مقام پر وفات ہوئی، حدیث کے معاملے میں ثقہ اور حجت شمار ہوتے ہیں، اور کثرت سے احادیث روایت کرتے ہیں، ۱۳۸ھ میں ولادت ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۸۵، شذرات الذھب ج ا ص ۵۰، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۷۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۴ھ**: میں حضرت ابومروان عبدالملک بن مسلمہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۱۴۰ھ میں ولادت ہوئی، امام مالک اور لیث رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حسن بن قتیبہ العسقلانی اور یحییٰ بن عثمان بن صالح رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۴۴۶)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۵ھ**: میں ابوعثمان سلیمان الواسطی السعدویہ البزار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ بغداد میں رہتے تھے، لیث بن سعد، زہیر بن معاویہ، اور حماد بن سلمہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوحاتم، یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۱۰۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۰۱، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۴۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۸۲)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۷ھ**: میں حضرت ابواحمد ھیثم بن خارجہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، امام مالک، لیث، یعقوب القمی، حفص بن میسرہ اور اسماعیل بن عیاش رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام احمد بن حنبل، عباس الدوری اور امام بخاری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، اصلاً آپ کا تعلق خراسان سے تھا، بعد میں بغداد تشریف لے آئے، کچھ عرصہ کے لئے شام بھی تشریف لے گئے اور شامی محدثین سے علم حاصل کیا، اور واپس تشریف لے آئے اور بغداد ہی میں وفات ہوئی (الطبقات لکبریٰ ج ۷ ص ۳۴۲، العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۴۰۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۷۹)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۷ھ**: میں ابوالاحوص محمد بن حیان البغوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، اسماعیل بن عُلیۃ اور ھشیم رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل اور عبداللہ بن محمد البغوی رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۲۷)

□……**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۸ھ**: میں ابواسحاق ابراہیم بن زیاد سبلان رحمہ اللہ کی بغداد میں وفات ہوئی (الطبقات لکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۱)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۸ھ**: میں ابوجعفر احمد بن محمد بن ایوب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ فضل بن یحییٰ اور جعفر برمکی کے کاتب تھے، آپ نے علمِ مغازی ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ سے حاصل کیا، ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل ہے، بغداد میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۴)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۸ھ**: میں ابوجعفر محمد بن حسان بن خالد السمتی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، یوسف بن یعقوب الماجشون اور ھشیم بن بشیر رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۴۱)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۸ھ**: میں ابوجعفر محمد بن مصعب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کثرت سے عبادت کرنے کی وجہ سے مشہور تھے، ابن المبارک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۴۲)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۹ھ**: میں ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان البخاری المسندی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، سفیان بن عیینۃ، فضیل بن عیاض اور عبدالرزاق رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوزرعہ اور ابوحاتم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں "المسندی" اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ صرف مسند احادیث روایت کرتے تھے، اور مقاطیع اور مراسیل احادیث روایت نہیں کرتے تھے "وقیل توفی فی ذی القعدہ" (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۴۷)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۲۹ھ**: میں ابوالاحوص محمد بن حیان رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بہت سے حضرات سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، اور حدیث کے معاملے میں ثقہ شمار ہوتے تھے (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۲)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۳۲ھ**: میں عباسی خلیفہ الواثق باللہ کی وفات ہوئی، پورا نام ابوجعفر ھارون بن المعتصم محمد بن الرشید بن المہدی العباسی تھا، ۵ سال اور کچھ مہینے خلیفہ رہے، اپنے والد کے زمانہ میں ولی عہد بنادیئے گئے تھے، خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک ادیب اور شاعر بھی تھے، آپ کے بعد آپ کا بھائی المتوکل علی اللہ خلیفہ بنا، "سامراء" کے مقام پر وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۱۲، المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۴)

□......**ماہِ ذی الحجہ ۲۳۲ھ**: میں ابوعثمان عمر بن محمد بن بکیر الناقد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کے اساتذہ میں سفیان بن عیینہ اور ھشیم رحمہما اللہ جیسے حضرات شامل ہیں، بغوی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں،

آپ ایک بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہہ بھی تھے، بغداد میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۱ص۱۸۴، شذرات الذھب ج۱ص۵۷، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۵۸، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۱۴۸، طبقات الحفاظ ج۱ص۱۹۸)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۲ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عائذ القرشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، علمِ تاریخ اور مغازی میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، ۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی، اسماعیل بن عیاش، ھیثم بن حمید اور یحییٰ بن حمزہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی، احمد بن ابی الحواری، محمود بن خالد اور یعقوب الفسوی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی (سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۱۰۶)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۵ھ**: میں حضرت ابوسعید عبیداللہ بن عمر بن میسرۃ الجشمی القواریری بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بغداد میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: حماد بن زید، ابوعوانۃ، سفیان اور ھشیم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: احمد، یحییٰ، ابوداؤد السجستانی، ابوزرعۃ، ابوحاتم اور ابراہیم الحربی رحمہم اللہ (المنتظم ج۱۱ص۲۳۳، العبر فی خبر من غبر ج۱ص۴۲۲، شذرات الذھب ج۱ص۸۵، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۵۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۴۴۵)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ عبدالصمد بن یزید الصائغ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ''مردویہ'' کے نام سے مشہور تھے، فضیل بن عیاض، سفیان بن عیینہ اور وکیع رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی (المنتظم ج۱۱ص۲۳۴، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۶۳)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن حاتم بن میمون رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ سفیان بن عیینہ، ابنِ مہدی اور وکیع رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۱ص۲۳۴، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۵۹)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۵ھ**: میں حضرت ابومحمد عبدالرحمٰن بن صالح الازدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، اصلاً کوفہ سے تعلق تھا اور بعد میں بغداد تشریف لے آئے، شریک، ابنِ ابی زائدہ اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بغدد میں وفات ہوئی (الطبقات لکبریٰ ج۷ص۳۶۰)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۳۷ھ**: میں حضرت عبداللہ بن مطیع بن راشد البکری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ھشیم اور ابن المبارک رحمہما اللہ آپ کے استاد اور بغوی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج۱۱ص۲۵۶)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۲ھ**: میں حضرت ابومحمد حسن بن علی بن محمد الھذلی الحلوانی رحمہ اللہ کی وفات

ہوئی، ابومعایہ الضریر، معاذ بن ھشام، وکیع بن الجراح اور یزید بن ھارون رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۹۹)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۲ھ**: میں حضرت محمد بن رافع بن ابی زید رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، سفیان بن عیینہ، معن بن عیسیٰ، ابنِ ابی فدیک، عبداللہ بن ادریس اور وکیع رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن نصر العابد رحمہ اللہ نے آپ کو غسل دیا، اور محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۲۱۸)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۳ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن ابوعمر العدنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، فضیل بن عیاض، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن محمد اور معتمر بن سلیمان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مسلم، ترمذی، اسحاق بن احمد الخزاعی اور حکم بن معبد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۹۷)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۴ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ عتبہ بن عبداللہ الیحمری المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، مالک بن انس، سعید بن سالم، ابن المبارک اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن علی الحکیم اور عیسیٰ بن محمد المروزی رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۴۰)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۵ھ**: میں حضرت محمد بن حبیب البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ھشام بن الکلبی رحمہ اللہ آپ کے استاد اور ابوسعید السکری رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں ''سامراء'' کے مقام پر وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۳۳۶)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۶ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن مصفی القرشی الحمصی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، سفیان بن عیینہ، بقیہ بن الولید، محمد بن حرب اور ولید بن مسلم رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی روایت کی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور حسن بن احمد بن فیل رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۹۵)

□...... **ماہِ ذی الحجہ ۲۴۸ھ**: میں حضرت ابوموسیٰ عیسیٰ بن حماد زغبہ التجیبی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، لیث بن سعد رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، بقی بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۰۷)

مقالات ومضامین ترتیب: مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۹)

غیبت سے اجتناب کا اہتمام

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اکابرین کی صحبت کی برکات سے غیبت کرنے اور سُننے سے بچنے کا سخت اہتمام فرمانے کی بھی نعمت حاصل ہوئی ہے، چنانچہ آپ اپنے خطابِ عام اور نجی مجلسوں میں بھی کسی کی غیبت کرنے اور سُننے سے مکمل اجتناب فرماتے ہیں، اور اگر کبھی آپ کے سامنے کسی کی غیبت شروع کی جاتی ہے تو آپ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت اس سے وحشت کھاتی ہے، حضرت والا اپنے احباب کو بھی غیبت کرنے اور سننے سے پرہیز کرنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

رسمی تصوف وطریقت سے اجتناب

حضرت والا دامت برکاتہم نے اپنے اکابرین کی صحبت سے الحمدللہ تعالیٰ تصوف وطریقت کو بالکل شریعت کے اصولوں کے مطابق اختیار فرمایا ہے، حضرت والا بار بار اس کی نشاندہی فرماتے رہتے ہیں کہ آجکل بہت سے لوگ تصوف وطریقت کو شریعت سے بالکل جداگانہ چیز سمجھتے ہیں، اور تصوف وطریقت کے نام سے نہ جانے کیا کیا شریعت کے خلاف کرتوت کر گزرتے ہیں، یہ سخت گمراہی اور ضلالت کی بات ہے، تصوف وطریقت کے عنوان سے کوئی بھی ایسا کام کرنا جس کو شریعت ناجائز قرار دیتی ہے، ہرگز بھی جائز نہیں، لہٰذا جو لوگ طریقت وتصوف کا دم بھرتے ہیں اور ان کی وضع قطع بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتی، نامحرم عورتوں سے بے دھڑک انداز میں بے پردہ ہو کر ملتے جلتے ہیں، اور نشہ آور چیزیں استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے اور نہ جانے شریعت کے خلاف کیا کیا حرکتیں کرتے ہیں، وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں اور جو خود گمراہ ہو وہ کسی دوسرے کی کیا اصلاح کر سکتا ہے؟

اسی طرح بعض تصوف کے حامی تصوف کی چند اصطلاحات اور چند اشغال واحوال اور کیفیات ہی کو بنیاد بنا کر پورے تصوف کو اس کے اردگرد گھماتے ہیں، اور تصوف کے مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ حضرت والا دامت برکاتہم تصوف میں پائی جانے والی اس قسم کی افراط وتفریط سے بحمداللہ تعالیٰ

محفوظ ہیں، اور آپ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے طریقت کے ساتھ ساتھ شریعت پر برابر زور دیتے ہیں، اور اس کی اہمیت کو واضح فرماتے ہیں، اور بار بار اس چیز کی نشاندہی فرماتے رہتے ہیں کہ طریقت شریعت سے کوئی جدا چیز نہیں ہے، بلکہ شریعت ہی کا ایک حصہ ہے، شریعت اور طریقت کی اصطلاحات ایک دوسرے کے مقابلہ میں اس لئے وضع نہیں کی گئیں کہ ان دونوں کی حقیقت ایک دوسرے کے مخالف یا مقابل تھی، بلکہ ظاہری و باطنی اعمال واخلاق میں فرق بیان کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں، تاکہ ظاہری و باطنی احکام کو الگ الگ مستقل طور پر مدون کیا جا سکے، اور دونوں کی اہمیت وافادیت کو مستقل طور پر واضح کیا جا سکے، اور جو لوگ ظاہری یا باطنی صرف ایک حصہ کو پورا دین سمجھے بیٹھے ہیں ان کی قلعی کھولی جا سکے، اور طریقت وتصوف کا اصل موضوع اپنے اخلاق کی اصلاح وتزکیۂ نفس اور بالفاظِ دیگر اعمال کی بجا آوری ہے، باقی اشغال واحوال اور کیفیات مقصودِ اصلی نہیں ہیں، کامیابی اور ناکامی کا مدار اعمال پر ہے، احوال پر نہیں، لہٰذا جس طرح طریقت کو شریعت کا مخالف سمجھنا گمراہی ہے اسی طرح چند رسمی وروایتی یا انتظامی ومصلحتی چیزوں کو تصوف وطریقت سمجھ لینا بھی دین کے اس اہم شعبہ کے ساتھ زیادتی ہے۔

بیعت میں احتیاط

بیعت کرنے میں بھی حضرت والا کا طرزِ عمل وہی ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا تھا، اور جس کی نشاندہی بار بار حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنے ملفوظات ومواعظ اور تصنیفات میں فرمائی ہے، کہ آپ بیعت کو لازم اور ضروری قرار نہیں دیتے اور بالکل فضول بھی نہیں سمجھتے، البتہ بیعت کے مقابلہ میں اصلاح اور تزکیۂ نفس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اصلاحِ نفس وتزکیۂ نفس کا معاملہ عادتاً بغیر کسی کو اپنا رہبر وشیخ مقرر کئے طے نہیں ہوتا، لیکن کسی کو اپنا شیخ ومربی بنانے کے لئے بھی رسمی بیعت ہونا ضروری نہیں، رسمی بیعت کے بغیر بھی کسی کو اپنا رہبر ومربی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ مگر آج کل عام طور پر لوگ بیعت کو ضروری سمجھنے لگے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اپنی اصلاح وتزکیہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، رسمی بیعت ہو جانے کو طریقت وتصوف کا حق ادا کرنا سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے جتنی جستجو کسی سے بیعت ہونے کی کرتے ہیں، اتنی جستجو اپنی ذات کی اصلاح کی نہیں کرتے۔

یہ طرزِ عمل قابلِ اصلاح ہے۔ اور کیونکہ آج کل بیعت کے سلسلہ میں کافی افراط وتفریط ہو رہی ہے اور خود

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والے بعض حضرات بھی غلط فہمی کا شکار ہیں، اس لئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے چند ارشادات سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

فرمایا:

''میرے یہاں تعلیم تو فوراً شروع ہو جاتی ہے لیکن بیعت پورے اطمینان کے بعد کرتا ہوں اور اصل چیز تعلیم ہی ہے، بیعت کوئی ضروری چیز نہیں، نفع ہونے کے لئے محض تعلق محبت کا ہونا کافی ہے، پھر بعد اطمینان کے بیعت میں بھی مضائقہ نہیں، سو اکثر میرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میں قرآن مجید کی تصحیح کراتا ہوں، کیونکہ بغیر اس کے صحیح کئے نماز ہی پوری طرح ادا نہیں ہوتی بشرطِ قدرت، پھر ضروری مسئلوں کی تعلیم'' (ملفوظات حسن العزیز یعنی ملفوظاتِ اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۰۱، صفحہ ۷۳، ۷۴)

''لوگ اصل چیز بیعت کو سمجھتے ہیں حالانکہ اصل چیز تعلیم ہے، گو میں بیعت کے برکات کا منکر نہیں، لیکن محض بیعت بلا تعلیم کے بالکل کافی نہیں، اور تعلیم بلا بیعت کے بالکل کافی ہے، اگر میں یہ کہوں کہ بیعت تو کروں گا لیکن تعلیم کچھ نہ دوں گا تو ہزاروں لوگ مرید ہونے کے لئے تیار ہیں، اور اگر میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی بیعت تو ابھی کرتا نہیں لیکن تعلیم دینے کے لئے تیار ہوں اور نفع میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہونے کا یقین دلاتا ہوں، لیکن اس کو کوئی قبول نہیں کرتا، دیکھئے جو چیز دراصل ضروری ہے یعنی تعلیم اس کو تو ضروری نہیں سمجھا جاتا، اور جو چیز کچھ بھی ضروری نہیں یعنی بیعت اس کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں، پھر بدعت کس کو کہتے ہیں، اہلِ حق اور (یعنی دوسری) بدعات کو تو منع کرتے ہیں لیکن اس طرف ان کا بھی خیال نہیں گیا''

(ملفوظات حسن العزیز یعنی ملفوظاتِ اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۰۱، صفحہ ۷۵)

''میں مستحب کو تو بدعت نہیں کہتا اس کو ضروری سمجھنے کو بدعت کہتا ہوں، اگر مستحب کو کوئی واجب سمجھ جاوے تو کیا یہ بدعت نہیں ہے؟ بیعت کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے اور لازم ضروری اور واجب کے ایک ہی معنیٰ ہیں، بس یوں کہنا چاہئے کہ بیعت سنتِ مستحبہ غیر ضروریہ ہے اگر کوئی فعل مستحب ہے مگر اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو بدعت ہے، ہم بیعت کے استحباب کا تو انکار نہیں کرتے، اب سنئے دوسرا قاعدہ فقہا نے لکھا ہے کہ مستحب فعل سے اگر فساد پیدا ہو

جاوے عقیدہ میں تو اس مستحب کو چھوڑ دینا ضروری ہے، اب اس تقریر کے بعد بیعت کو چھوڑ نا ضروری ثابت ہوا، اصل قانون تو یہ ہے لیکن ہم نے محض عوام کی رعایت سے بیعت کرنا چھوڑا نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے کہ کسی کو کر لیا کسی کو نہ کیا، تا کہ معلوم ہو جاوے کہ کرنا بھی جائز ہے اور نہ کرنا بھی جائز ہے، یہ سب پیروں کو چاہئے کہ بیعت کا سلسلہ کم کر دیں تا کہ غلط عقیدہ لوگوں کے دلوں سے نکلے کہ بدون بیعت کے کچھ نفع ہو ہی نہیں سکتا، جس کے یہ معنیٰ ہیں کہ بدون ہمارے غلام ہوئے خدا کے غلام ہو ہی نہیں سکتے، یہ سب جاہ اور دوکانداری کی بات ہے'' (ملفوظات حسن العزیز یعنی ملفوظاتِ اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۶۱۹، صفحہ ۴۲۰)

اصلاحی مکاتبت اور اس کا انداز

حضرت والا کو جب تک صحت وہمت رہی، اپنے متوسلین کی اصلاحی مکاتبت کے جوابات خود بنفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرماتے رہے، لیکن جب نقاہت زیادہ ہوگئی، خصوصاً حالیہ پیرانہ سالی کے زمانہ میں تو آپ نے بمشورہ معالجین مکاتبت میں غیر معمولی تخفیف فرمادی ہے۔

عام حالات میں حضرت والا کی مکاتبت کا انداز یہ ہے کہ حضرت والا اصلاحی اُمور پر نمبر ڈال کر اجمالی انداز میں اصلاحی اُمور تحریر فرماتے ہیں اور جہاں ضرورت پڑتی ہے، اجمالی کے علاوہ تفصیلی جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں، اور موقع بموقع اپنے اکابرین، خصوصاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ اور نسبت سے علاج تجویز فرماتے ہیں، الحمدلِلّٰہِ تعالیٰ حضرت نے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی تربیت السالک کا غیر رسمی مطالعہ فرمایا ہے اور بے شمار امراض کے علاج آپ والا کو زبانی مَن وعَن یاد ہیں، یہ سب اکابرین اور خصوصاً حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی نسبت کی برکات ہیں۔ (جاری ہے......)

اصلاحی خطاب مفتی محمد رضوان

حج کی خصوصیات

ایک عرصہ سے ہر سال ادارہ غفران کے زیرِ انتظام مفتی محمد رضوان صاحب (مدیر ادارہ غفران) کی زیرِ نگرانی باقاعدگی سے خواتین وحضرات کے لئے حج وعمرہ تربیتی کورس منعقد ہوتا ہے، حسبِ سابق اس سال بھی مورخہ ۲۷ شوال ۱۴۲۷ھ بمطابق 20 نومبر 2006ء بروز پیر بعد مغرب تا عشاء مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار راولپنڈی میں چھ روزہ حج وعمرہ تربیتی کورس کا آغاز ہوا، جس کی افتتاحی نشست میں مفتی صاحب موصوف نے درجِ ذیل خطاب فرمایا (ادارہ......)

اَلْحَمْدُلِلّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَفِیُّہٗ وَخَلِیْلُہٗ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی ھٰذَاالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَالرَّسُوْلِ السَّیِّدِالسَّنَدِ الْعَظِیْمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا. وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ(سورہ نساء آیت ۹۷)

”اوراللہ کے لئے ان بندوں پر بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہے، جو بیتُ اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو شخص (اللہ تعالیٰ کے احکام کا) منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی (وبے نیاز) ہیں (اس میں اللہ تعالیٰ کا نقصان نہیں بلکہ لوگوں کا اپنا نقصان اورضرر ہے)

معزز خواتین وحضرات: آج ہمارے یہاں پر جمع ہونیکا مقصد حج وعمرہ کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ہے، حج وعمرہ کو باقاعدہ سیکھ کر اوراس کو باضابطہ تربیت حاصل کر کے انجام دینا چاہئے، کیونکہ یوں تو ہر عبادت

اور ہر عمل کو ہی سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حج ایسی عبادت ہے جس کو زیادہ اہتمام کے ساتھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔

حج کی فرضیت اور اس کا انکار

اس وقت میں نے قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے بیتُ اللہ کا حج فرض ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے، حج کے بعض بنیادی اور ضروری احکام کو تو قرآن مجید میں مختلف مواقع پر ذکر کیا گیا ہے، اور باقی تفصیلات حضور ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے واضح فرما دی ہیں۔

آیت کے آخری جملہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص حج کے فریضہ کا منکر ہو اور وہ حج کو فرض ہی نہ سمجھے وہ منکر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، لیکن جو شخص عقیدہ کے طور پر تو حج کو فرض سمجھتا ہے مگر استطاعت وقدرت کے باوجود حج کے فریضہ کو ادا نہیں کرتا وہ کافر تو نہیں مگر عملی منکر ہے، گویا کہ یہ حرکت منکروں اور کافروں کے طرزِ عمل کے مشابہ ہے۔

حج کو دوسرے ارکان سے کئی جہتوں سے امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے

اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ان میں سے ایک رکن حج ہے۔کلمہ طیبہ کے بعد اسلام کے جو ارکان ہیں ان سب میں حج کو امتیازی شرف حاصل ہے۔

جانی و مالی عبادت کا مفہوم

حج مالی اور بدنی عبادات کا مجموعہ ہے۔عبادت کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ یا تو مالی عبادت ہیں یا بدنی عبادت ہیں یا مالی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہیں۔

بدنی عبادت جسے ہم جانی عبادت بھی کہہ سکتے ہیں، وہ کہلاتی ہے جس میں بدن اور جان کا دخل ہو اور مالی عبادت وہ ہے جس میں مال کا دخل ہو، نماز اور روزہ بدنی عبادت ہے، اسی وجہ سے نماز اور روزہ فرض ہونے کے لئے مالدار اور غنی ہونا ضروری نہیں، البتہ جسمانی اعتبار سے نماز اور روزہ پر قادر ہونا ضروری ہے، جو عاقل بالغ شخص نماز روزہ پر جسمانی اعتبار سے قادر ہو خواہ وہ امیر ہو یا غریب ہو اس پر نماز روزہ فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور روزہ بدنی اور جانی عبادت ہے اور اس کے برعکس زکوٰۃ مالی عبادت

ہے، اسی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے مالدار اور صاحبِ نصاب ہونا ضروری ہے۔ جو شخص صاحبِ نصاب ہو خواہ وہ صحت مند ہو یا مریض ہو یا کوڑھی ہو یا اپاہج ہو، بیوہ عورت ہو یا شوہر والی عورت ہو، برسرِ روزگار ہو یا برسرِ روزگار نہ ہو۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔

حج جانی اور مالی دونوں قسم کی عبادت ہے

حج مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادت ہے، حج کا تعلق مال سے بھی ہے اور جان سے بھی ہے۔ حج میں بدنی اور مالی دونوں عبادت کی شانیں پائی جاتی ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ حج کو اسلام کے دوسرے ارکان وعبادات سے ایک امتیازی خصوصیت تو یہ حاصل ہے کہ یہ مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے اور نماز، روزہ، زکوٰۃ کو یہ خصوصیت حاصل نہیں کیونکہ نماز اور روزہ تو تنہا بدنی عبادت ہیں اور زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے، مگر حج مالی عبادت بھی ہے اور جانی عبادت بھی ہے۔

حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے

حج دراصل اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے، اسلام کے ارکان نماز روزہ اور زکوٰۃ حج سے پہلے فرض ہوئے ہیں اور حج ان دیگر ارکان کے بعد فرض ہوا۔

اور قرآن مجید کی آخری آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ'' یہ بھی حضور ﷺ پر آخری حج کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید کا اختتام حج کے موقع پر ہو رہا ہے اسی طرح اسلام کی تکمیل بھی حج پر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھ کر انسان مسلمان ہوتا ہے، پھر عام حالات میں نماز کی فرضیت اور پھر روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت ہوتی ہے اور حج عموماً ان کے بعد آتا ہے۔

حج دراصل ایمان وعمل کی تکمیل کے لئے ہے، مگر آجکل ابتداء کے بغیر بہت سے لوگ تکمیل چاہتے ہیں کہ کلمہ طیبہ آتا نہیں، نماز کی پابندی نہیں، زکوٰۃ کا اہتمام نہیں، روزہ کا لحاظ نہیں لیکن اسی حالت میں حج کے لئے چل پڑتے ہیں، حالانکہ کلمہ طیبہ کی اصلاح، نماز کی پابندی، روزہ اور زکوٰۃ کا اہتمام بھی ضروری ہے اور ان کا اہتمام حج سے زیادہ ضروری اور حج سے مقدم ہے۔

حج کا انسانی زندگی کے اختتام کے مشابہ ہونا

اور جس طرح حج اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے اسی طرح حج کی شان اور حالت بھی انسان کی آخری حالت کے مشابہ ومماثل ہے، چنانچہ احرام میں مرد حضرات جو سفید چادریں پہنتے ہیں، ان چادروں کو مسلمان کے آخری لباس یعنی کفن سے مشابہت ہے، یہ اس بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہے کہ حج کرنے والے کو چاہئے کہ موت کی تیاری کرلے، آخرت سے اپنا تعلق اور رشتہ مضبوط جوڑ لے اور اپنی موت، قبر وآخرت سے کسی طرح غافل نہ ہو۔

حج محبت کا انتہائی مظہر ہے

جتنے بھی ارکان اور عبادات ہیں خواہ وہ بدنی اور جانی عبادات ہوں یا مالی عبادات ہوں۔ وہ سب محبتِ الٰہی کی علامت ہیں، چنانچہ نماز اور روزہ کے ذریعہ سے انسان اپنی جان پر اللہ تعالیٰ کی محبت کے غالب ہونے کی شہادت دیتا ہے، اور زکوٰۃ کے ذریعہ سے انسان اپنے مال پر اللہ تعالیٰ کی محبت کے غالب ہونے کی شہادت وگواہی دیتا ہے اور کبھی اپنے بدن اور اپنی جان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور کبھی مال کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس محبت کی گواہی دیتے دیتے اور اظہار کرتے کرتے بندے کی محبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور محبت اندر ہی اندر ترقی کرتی رہتی اور پروان چڑھتی رہتی ہے اور بڑھتے بڑھتے جب وہ اپنی انتہا یا کمال تک پہنچتی ہے تو عشق کی شکل اختیار کرلیتی ہے کیونکہ عشق محبت ہی کی انتہائی وتکمیلی حالت کا نام ہے اور جب محبت عشق کی شان اختیار کرلیتی ہے تو عشق کی حالت میں عاشق کی عقل اور حواس کچھ مغلوب ہوجاتے ہیں اور عاشق سے ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں جو عقل وخرد کے بظاہر خلاف ہوتی ہیں، اور جو شخص اس حالت میں مبتلا نہ ہو، یہ حرکات اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں۔

یہی حالت حج کی بھی ہے کہ باقی ارکان میں تو صرف محبت کا اظہار یا محبت کے نمونے پائے جاتے ہیں مگر حج میں محبت سے بڑھ کر عشق کا انداز پایا جاتا ہے۔ چنانچہ احرام شروع کردینے کے بعد زیب وزینت کا چھوڑ دینا، میل کچیل کو بھی دور نہ کرنا، ناخن اور جسم کے کسی بھی حصہ کے بال نہ کاٹنا، سلے ہوئے اور خوبصورت لباس کو اتار کر دو سادہ چادریں پہن لینا اور پھر عاشق کی طرح معشوق کی جستجو اور تلاش وطلب میں لبیک وغیرہ کی شکل میں حاضری کی صدائیں دیتے ہوئے چلنا، پھر معشوق کے گھر کی طرح بیت اللہ کا

طواف کرنا اور چکر لگانا اور پھر رہائشی اور آبادی والے سکون و آرام کو چھوڑ کر منیٰ، عرفات، مزدلفہ کے میدانوں میں پہنچ جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب حرکات وسکنات ایسی ہیں جو ایک سچے عاشق ہی سے سرزد ہو سکتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج محبت کی انتہا اور تکمیل ہے۔ لہٰذا حج کو اسی نقطۂ نظر اور اسی زاویہ سے کرنا چاہئے۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حج کے عنوان سے شہرت اور نام ونمود اور فخر وتفاخر کا متلاشی ہونا، سراسر حج کے مقصود کے خلاف ہوگا کیونکہ عاشق اپنے آپ کو معشوق کے سامنے بالکل فنا کر دیا کرتا ہے، اپنی خواہشات کو اس کی خواہشات کے تابع بنا دیا کرتا ہے، اپنی سوچوں کو اس کے تابع کر دیتا ہے۔

اسی طرح حج کرنے والے کو بھی اپنی تمام خواہشات کو اپنے رب کے تابع بنا دینا چاہئے اور اپنے آپ کو اپنے رب کی غلامی و بندگی میں پوری طرح فنا کر دینا چاہئے۔

حج کا زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہونا

حج کے رکن کو دوسرے ارکانِ اسلام کے مقابلہ میں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اور ارکان تو زندگی میں ایک سے زیادہ مرتبہ فرض ہوتے ہیں مگر حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی فرض ہوتا ہے، چنانچہ نماز دن ورات میں پانچ مرتبہ فرض ہے، روزے ہر سال تیس دنوں یا انتیس دنوں کے فرض ہوتے ہیں اور زکوٰۃ بھی صاحبِ نصاب شخص پر ہر سال فرض ہوتی ہے مگر حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی فرض ہوتا ہے۔ لہٰذا جو عمل زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہوتا ہے اس کو زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کو صحیح صحیح ادا کرنے کی شان اس اعتبار سے زیادہ اہم ہوگی۔

حج کا زمان ومکان کے ساتھ خاص ہونا

اس کے علاوہ حج کو یہ امتیازی خصوصیت بھی حاصل ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ تو ہر مقام اور ہر علاقہ میں ادا ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کا زمانہ خاص ہے کہ نماز اور روزہ کے اوقات مقرر ہیں اور زکوٰۃ کے لئے بھی سال کا پورا ہونا مقرر ہے، مگر یہ کسی مقام کے ساتھ خاص نہیں ہیں، نماز ہر پاک جگہ پڑھی جاسکتی ہے، روزہ ہر جگہ رکھا جاسکتا ہے، زکوٰۃ ہر علاقہ کے غریب مستحق مسلمان کو ادا کی جاسکتی ہے۔

مگر حج کا جس طرح ایک زمانہ مقرر ہے اسی طرح اس کا مکان اور جگہ بھی مقرر ہے، چنانچہ حج کے اعمال و مناسک ادا کرنے کے لئے مقامات متعین ہیں، طواف اور سعی کی جگہ مقرر ہے، یہ اعمال اسی خاص مقام پر

ادا کئے جاسکتے ہیں، کسی اور جگہ نہیں، اسی طرح وقوفِ عرفہ ومزدلفہ اور رمیِ جمرات وغیرہ کے مقامات بھی متعین ہیں، ان کاموں کو کسی اور علاقہ میں ادا نہیں کیا جاسکتا، دم کے لئے حرم کی جگہ متعین ہے، احرام کے لئے میقاتیں مقرر ہیں، اس اعتبار سے حج کا تعلق جس طرح زمانہ سے ہے، اسی طرح مقام سے بھی ہے، اور حج ظرف کی اپنی دونوں قسموں یعنی ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بھی حج کی امتیازی خصوصیت ہے۔

اس لئے ان تمام وجوہات کا تقاضا یہ ہوا کہ حج کو صحیح طرح سیکھ کر اور تربیت حاصل کر کے ادا کیا جائے۔

قابلِ افسوس مقام

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل عام طور پر حجاجِ کرام رسمی اور روایتی حج کرنے لگے ہیں، اور جگہ جگہ جو حج وعمرہ تربیتی کورس منعقد کئے جاتے ہیں وہاں بھی عموماً چندگنی چنی رسمی وروایتی چیزیں بیان کردی جاتی ہیں ،بعض اداروں کی طرف سے صرف انتظامی وقانونی چیزوں سے متعلق تربیت دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، شرعی احکام کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی جاتی، حالانکہ حج میں اصل چیز شرعی احکام اور حج کے مناسک ہی ہیں۔

اور اگر حج کے احکام ومناسک کے متعلق کچھ لب کشائی بھی کی جاتی ہے تو وہ بھی بہت لچک دار اور نرم انداز میں، جس سے تربیت حاصل کرنے والوں کے دل ودماغ میں حج کے احکام ومناسک کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی اہمیت پیدا نہیں ہوتی ،اور زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ تربیت دہندہ حضرات ہی کی خود صحیح حج کی تربیت نہیں ہوتی ،اور حج کے مربی بن کر بیٹھ جاتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی ان روایتی اور رسمی چیزوں سے حفاظت فرما کر حقیقی اور روحانی اُمور کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

مقالات ومضامین

عبدالواحد قیصرانی

تقلید کے مختلف درجات

(۲)......متبحر عالم کی تقلید

تقلید کا دوسرا درجہ ''متبحر عالم'' کی تقلید ہے، ''متبحر عالم'' سے ہماری مراد ایسا شخص ہے جو اگر چہ رتبۂ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو، لیکن اسلامی علوم کو باقاعدہ ماہر اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد انہی علوم کی تدریس وتصنیف کی خدمت میں اکابر علماء کے زیرِ نگرانی عرصۂ دراز تک مشغول رہا ہو، تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصول اسے مستحضر ہوں، اور وہ کسی مسئلے کی تحقیق میں اسلاف کے افادات سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہو، اور ان کے طرزِ تصنیف واستدلال کا مزاج شناس ہونے کی بناء پر ان کی صحیح مراد تک پہنچ سکتا ہو............ ایسا شخص بھی اگر چہ رتبۂ اجتہاد تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مقلد ہی ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے مذہب کا مفتی بن سکتا ہے (تقلید کی شرعی حیثیت ص۹۴، ۹۵ ملخصاً)

(۳)......مجتہد فی المذہب کی تقلید

تقلید کا تیسرا درجہ ''مجتہد فی المذھب'' کی تقلید ہے ''مجتہد فی المذہب'' ان حضرات کو کہتے ہیں جو استدلال واستنباط کے بنیادی اصولوں میں کسی مجتہدِ مطلق کے طریقے پابند ہوتے ہیں، لیکن ان اصول وقواعد کے تحت جزوی مسائل کو براہِ راست قرآن وسنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مستنبط کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، چنانچہ ایسے حضرات اپنے مجتہد مطلق سے بہت فروعی احکام میں اختلاف رکھتے ہیں، لیکن اصول کے لحاظ سے اس کے مقلد کہلاتے ہیں، مثلاً فقہ حنفی میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ، فقہ شافعی میں امام مزنی اور امام ابوثور رحمہما اللہ، فقہ مالکی میں سحنون اور ابنِ القاسم رحمہما اللہ، اور فقہ حنبلی میں ابراہیم الحربی اور ابوبکر الاثرم رحمہما اللہ............

لہٰذا مجتہد فی المذہب اصول کے لحاظ سے مقلد اور فروع کے لحاظ سے مجتہد ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ وغیرہ نے حنفی ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بے شمار فروعی مسائل میں اختلاف کیا۔

Idara Ghufran

(۴)......مجتہدِ مطلق کی تقلید

تقلید کا آخری درجہ ''مجتہد مطلق'' کی تقلید ہے ''مجتہد مطلق'' وہ شخص ہے، جس میں تمام شرائطِ اجتہاد پائی جاتی ہوں، اور وہ اپنے علم وفہم کے ذریعہ اصولِ استدلال بھی خود قرآن وسنت سے وضع کرنے پر قادر ہو، اوران اصول کے تحت تمام احکامِ شریعت کو قرآن کریم سے مستنبط بھی کرسکتا ہو، جیسے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ، یہ حضرات اصول اور فروع میں مجتہد ہوتے ہیں، لیکن ایک طرح کی تقلید ان کو بھی کرنی پڑتی ہے، اور وہ اس طرح کہ جن مسائل میں قرآن کریم یا سنتِ صحیحہ میں کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں یہ حضرات اکثر وبیشتر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ خالصۃً اپنی رائے اور قیاس سے فیصلہ کرنے کے بجائے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین میں سے کسی کا کوئی قول یا فعل مل جائے، چنانچہ اگر ایسا کوئی قول وفعل مل جاتا ہے تو یہ حضرات بھی اس کی تقلید کرتے ہیں (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۹،۱۱۰ ملخصاً)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۴۳ ''صحابیٔ رسول حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ''﴾

نہایت مستقل مزاج...... ہاتھ کے سب سے زیادہ سخی......دل کے سب سے زیادہ قوی......زبان کے سب سے زیادہ سچے......نہایت ذمہ دار......طبیعت میں سب سے زیادہ نرم......میل جول میں سب سے زیادہ گرم......جو بھی دیکھے فوراً مرعوب ہوجائے......لوگوں کے ایذا دینے پر سب سے زیادہ صابر اور سب سے زیادہ حلیم...... جسے بھی صحبت ومخاطبت کا شرف حاصل ہو وہ محبت کرنے لگے۔

یارسول اللہ ﷺ! اب میں واپس نہیں جاؤں گا ......حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سُن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا...... میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا۔ (جاری ہے)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

انیس احمد حنیف

صحابیٔ رسول حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (قسط ۱)

آزادی کسے پسند نہیں؟...... ہر ذی روح فطری طور پر آزاد رہنا پسند کرتا ہے......لیکن یہ روح جس کے بارے میں خالقِ روح کا ارشادِ عالی ہے کہ...... قل الروح من امرِ ربی ......اس روح کو صرف آزادی ہی پسند نہیں بلکہ محبت بھی اس کی گھٹی میں موجود ہے، یہ بھی اس کی فطری صفات میں سے ہے......اگر کسی نے اپنی فطرت کو مسخ نہ کر دیا ہو، اگر کسی نے اپنی روح کو بیمار اور لاغر نہ کر دیا ہو، اگر کسی نے اپنے اس قلب کو مار نہ دیا ہو جس کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ارشاد عالی ہے......لاَ یَسَعُنِی فِی الْاَرْضِ وَلاَ سَمَآئِ وَلٰکِنْ یَسَعُنِی قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤمِن ......نہ میں زمین میں سما تا ہوں اور نہ آسمان میں، لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں (التفسیر المظہری ۹-۷۵)...... یہی قلب جو خالق ارض وسما کا گھر قرار پاتا ہے، اس گھر کو اگر کسی نے ویران نہ کر دیا ہو تو اس میں پنپنے والا جذبہ انسان کو اس کی منزل تک پہنچانے میں خاصا معاون ہوا کرتا ہے......شاید یہ محبت ہی کی کارگزاری تھی کہ انہیں غلامی سے آزادی ملی تو رونے لگے......لوگ سمجھانے لگے (کہ محبت کے ماروں کو دنیا والے یونہی سمجھایا کرتے ہیں) ارے شکر کرو، تمہیں تو آزادی ملی ہے اس پر تو تمہیں خوش ہونا چاہئے جواب میں غلامِ محبت یوں گویا ہوئے ......آج میں ایک اجر سے محروم ہو گیا ہوں میرے لئے حضور ﷺ کی غلامی سے بڑھ کر کون سی سعادت ہو سکتی ہے، میں تو عمر بھر آپ کا غلام رہوں گا......اور پھر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے اپنے ان الفاظ کو تمام عمر خوب نبھایا اور تمام عمر نبی کریم ﷺ کے غلام ہی بن کر رہے

آج مادہ پرست، دل کے اندھے بھی نوکری میں عزت سمجھتے ہیں، افسر کا نوکر، بڑے افسر کا نوکر، وزیر صاحب کا نوکر، صدر صاحب کا نوکر، ...... کہاں یہ نوکریاں اور کہاں شاہِ دوعالم، رحمت للعالمین، محبوبِ ربِ کائنات، امام الانبیاء ﷺ کا نوکر، اُن کا غلام ...... پھر اس بڑے اعزاز کو پانے کے لئے آپ کو کسی بورڈ کے سامنے پیش بھی نہیں ہونا پڑتا......کہیں ٹیسٹ یا انٹرویو دینے جانا نہیں ہوتا...... یہ تو بس اپنے گھر کے کسی اندھیرے کمرے میں بیٹھ کر، کسی رات کے آخری لمحے یا صبح کے ابتدائی پہر میں اپنے پیارے، بے انتہا مہربان اور محبت کرنے والے اللہ کے سامنے اپنا دھیان جما کر، انہیں گواہ بنا کر خود کو اللہ تعالیٰ کے محبوب

ترین بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کی غلامی میں دینے کا اقرار کرنا ہے، اور بس......لیکن ایسا اقرار جس کی گواہی عمل سے ہو، نظریات گواہی دیں، معاملات گواہی دیں، معاشرت گواہی دے کہ یہ شخص اس بڑی نوکری پر فائز ہے ء یہ سردارِ کائنات ﷺ کا غلام ہے (اے اللہ حضور ﷺ کے مخلص غلاموں کے صدقے میں ہمیں بھی حضور ﷺ کی غلامی کے آدابِ سکھا دیجئے اور ہمیں بھی ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرنے کی سعادت نصیب فرمایئے۔آمین)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ سے پہلی ملاقات اور پھر اس میں محبت کا اظہار بھی اپنی طرز کا انوکھا ہی واقعہ ہے ...... قریش نے کسی کام سے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا، پہلی مرتبہ حاضرِ خدمت ہوئے اور اسی ملاقات میں دل ہار بیٹھے...... سینے میں دل ہی کچھ ایسا نفیس لے کر آئے تھے کہ ربِ کائنات کے تخلیقی شاہکار ﷺ کے حسن صورت و کردار کو دیکھتے ہی اپنے پچھلے تمام تعلقات بھلا کر عرض گزار ہوئے ، یارسول اللہ ﷺ! اب میں واپس نہیں جاؤں گا۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ تو بے شک چُنے ہوئے افراد میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی خدمت و مصاحبت کے لئے قبول فرمالیا تھا، لیکن آپ ﷺ کا سراپا ہی کچھ ایسا تھا، آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ ہی ایسے تھے اور آپ ﷺ پر سچائی کا نور ہی کچھ ایسا غالب تھا کہ انسان (بشرطیکہ انسانی مزاج بھی رکھتا ہو) دیکھتے ہی غلام ہو جائے

چہرہ مبارک یوں چمکتا ہوا، گویا کہ چاند ہے جو چودھویں شب میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے......سُرخی مائل گورا رنگ کہ سب لوگوں میں زیادہ خوش رنگ ...... پیشانی روشن اور کشادہ ...... چہرہ حُسن کی گولائی لئے ہوئے ......آنکھیں نہایت حسین ، بڑی کشادہ ، سرگیں اور سفید حصہ میں گلابی ڈورے جو آنکھوں کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں ......ابرُو باریک، دراز، بھرپور بالوں کے ساتھ اور کمان کی طرح گولائی لئے ہوئے ...... دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ......پلکیں لمبی ......ناک ایسی کہ بیچ سے بانسہ حسین طرز پر اُبھرا ہوا محسوس ہو اور نتھنے چھوٹے چھوٹے ...... چہرہ مبارک ہلکا یعنی بہت زیادہ پُر گوشت نہیں ہے کہ دونوں رخسار ابھرے ہوئے نظر نہیں آتے ...... دہانہ نسبتاً کشادہ ہے...... دندان مبارک اولوں کی سی سفیدی لئے ہوئے نہایت آبدار اور سامنے کے درمیان والے دو دانتوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ جو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے......گردن لمبی اور خوبصورت، اس میں خون کی سی خوبصورت سُرخی

ہے جوصفائی میں چاندی کی طرح ہے...... سیاہ زلفیں کانوں کی لوتک، اوران زلفوں میں آپ ﷺ کے سفید کان یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے تاریکی میں روشن ستارے چمک رہے ہوں......لیکن بال نہ تو بالکل گھنگریالے اور نہ محض سیدھے...... داڑھی مبارک انتہائی حسین اور گھنی ......مونچھیں تراشیدہ...... بدن مبارک نہایت روشن، جسامت میں معتدل، پُرگوشت اور کسا ہوا...... دونوں شانے موٹے اوران کے درمیان فاصلہ......دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ......سینہ چوڑا...... سینے پر بالوں کی باریک سی لکیر جوناف تک جاتی ہے......شکم اورسینہ مبارک ہموار بلکہ سینہ مبارک قدرے اُبھرا ہوا......کلائیاں کشادہ اور گرفت انتہائی مضبوط ...... ریشم سے زیادہ ملائم ہتھیلیاں جوفراخ بھی ہیں اور لمبی انگلیاں ...... پنڈلیاں سفید اور حسین، لیکن موٹی نہیں ہیں ......تلوے مبارک گہرے کہ چلنے میں زمین کونہیں لگتے ایڑیوں پر گوشت ہلکا......قدم مبارک ہموار اور ایسے صاف کہ پانی ان پر سے ڈھل جائے...... پسینے کی مہک، تیز خوشبو والی مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ......نہ پست قامت، نہ بلند وبالا، لیکن مجمع میں ہوں تو سب سے بلند نظر آئیں۔

ہر کام میں اپنے اصحاب سے آگے رہنے والے...... جو بھی ملتا ہے سلام میں آپ ﷺ ہی سبقت فرماتے ہیں......نہایت خوش آواز...... بلاضرورت کلام نہیں فرماتے کلام کا شروع اور آخر منہ بھر کر فرماتے ہیں یعنی گفتگو اول سے آخر تک نہایت صاف ہوتی ہے ......ایسا مختصر اور جامع کلام فرماتے ہیں کہ گویا سمندر کو کوزے میں سمو دیتے ہیں......نہایت نرم مزاج ہیں مخاطب کی اہانت نہیں فرماتے...... جب اشارہ کرتے ہیں تو پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے ہیں، اور جب تعجب کرتے ہیں تو ہتھیلی کو پلٹ دیتے ہیں...... بات کے دوران کبھی بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا اندرونی حصہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے ملاتے ہیں ......ناخوش ہوتے ہیں تو رخ بدل لیتے اور منہ پھیر لیتے ہیں......خوش ہوتے ہیں تو آنکھیں جھکا لیتے ہیں...... نگاہ نیچی رکھتے ہیں، آسمان کی طرف نگاہ کرنے کی نسبت زمین کی طرف نگاہ زیادہ رہتی ہے...... جب کسی کروٹ کی طرف کی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو پورے پھر کر دیکھتے ہیں کہ کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہیں...... کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں تو یوں جیسے کھڑے ہونے کے لئے کوئی تیار ہو کر بیٹھتا ہے......سونے کے لئے لیٹتے ہیں تو دائیں کروٹ پر لیٹتے ہیں ......اور کبھی ویسے ہی چت لیٹیں تو ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ لیتے ہیں ......رفتار ایسی اطمنان بھری جس میں سُستی کا شائبہ تک نہیں، گویا کہ زمین آپ ﷺ کے قدمین مبارک

میں لپٹی چلی جاتی ہے جب چلنے کے لئے پاؤں اٹھاتے ہیں تو پاؤں نہایت قوت سے اُکھڑتا ہے اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا پتھر کی چٹان سے اُتر رہے ہیں

اہلِ فضل و کمال کو اپنی مجلس میں ترجیح دیتے ہیں اور بقدر اُن کی دینی فضیلت کے اُن کی قدر فرماتے ہیں ......آنے والے طالب بن کر آتے ہیں اور جاتے ہوئے خاص ذوق لے کر جاتے ہیں اور رہبر و مطلوب بن کر نکلتے ہیں ......آپ ﷺ کے نزدیک سب سے بہتر و افضل وہ لوگ ہیں جن کی خیر خواہی سب سے زیادہ عام ہے اور سب سے بڑے مرتبے والے وہ لوگ ہیں جو ہمدردی و مددگاری میں سب سے اچھے ہیں جب کسی قوم کے پاس پہنچتے ہیں تو وہیں بیٹھ جاتے ہیں جہاں مجلس آپ کو پہنچائے، (یعنی لوگوں پر سے پھلانگتے نہیں بلکہ جو خالی جگہ سب سے آگے ملتی ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں) اور اسی کا حکم دیتے ہیں ...... اپنے ہر ہمنشین کو (جگہ میں) اس کا حصہ دیتے ہیں کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کے نزدیک اُس سے زیادہ قابلِ احترام دوسرا ہے...... گفتگو فرماتے ہیں تو ایسی جو لوگوں کے لئے مفید ہو، ان کی باتیں باہم محبت پیدا کرتی ہیں اور آپس کی نفرت سے بچاتی ہیں ...... ہر قوم کے بزرگ کا اکرام فرماتے ہیں ...... اپنے اصحاب کی غم خواری فرماتے ہیں، لوگوں سے خبریں دریافت فرماتے، اچھائی کی تعریف و تائید فرماتے اور برائی کی مذمت کر کے اسے کمزور و سست بنا دیتے ہیں ......کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے ناراض نہیں ہوتے ......نہایت خلیق ......آپ ﷺ کی کشادہ روئی اور خوش خلقی سب لوگوں کے لئے عام ہے گویا کہ ان کے باپ کی جگہ ہیں۔

صرف وہی کلام فرماتے ہیں جس میں آپ ﷺ کو ثواب کی امید ہوتی ہے، جب آپ کلام کرتے ہیں تو اہل مجلس یوں خاموش ہو جاتے ہیں جیسے اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں (کہ ذرا بولے تو جیسے وہ اُڑ جائیں گی) جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے ہیں تب لوگ کلام کرتے ہیں ......اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس بات کرتا ہے تو لوگ اُس کی بات نہیں کاٹتے (کہ وہ براہ راست آپ ﷺ سے مخاطب ہے، اور اب اُس کی بات کاٹنا بھی بے ادبی ہے) اور اُس کے خاموش ہونے تک خاموش رہتے ہیں۔

آپ ﷺ کی مجلس صبر و حیا، علم و امانت کی مجلس ہے، جس میں نہ آوازیں بلند ہوتی ہیں، نہ گھر والوں کے عیب بیان کئے جاتے ہیں، نہ لوگوں کی کمزوریوں کی اشاعت کی جاتی ہے،، یہاں جو فضیلت پاتے ہیں تقوٰی کی وجہ سے پاتے ہیں۔

﴿بقیہ صفحہ ۳۹ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مفتی محمد امجد حسین

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۲)

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ حضرت انسان کی دنیا میں زندگی اور بقا ایک ایسی معاشرت اور اجتماعیت پر موقوف ہے جو محنت وعمل کے ذریعے ضروریات زندگی کی آپس میں فراہمی کے لئے تقسیم کار کے اصول پر مبنی ہو اور یہ چونکہ انسان کی زندگی اور بقا کا فطری وجبلی تقاضہ ہے اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ انسان مل جل کر ہی رہتے ہیں اور معاشرتی زندگی اختیار کرتے ہیں اور مختلف لوگ ضروریات زندگی کی آپس میں فراہمی کے لئے کسب ومحنت اور پیداوار کے مختلف ذرائع اور وسیلے اختیار کرتے ہیں اور آپس میں خدمات ومنافع اور اجناس واشیاء کا تبادلہ عوض معاوضہ کی صورت میں کرتے ہیں اس طرح باہمی شراکت وتعاون سے سب کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور انسانی زندگی کی گاڑی رواں دواں رہتی ہے۔ ابتداء میں یہ سلسلہ بہت سیدھا سادا ہوتا ہے پھر جیسے جیسے وقت گزرتا ہے معاشرہ تمدن وتہذیب کی نت نئی شکلوں کی تراش خراش کرکے آگے بڑھتا جاتا ہے اور ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہوا تمدن کو بام عروج تک پہنچاتا ہے۔ مادی ارتقا اور ترقی کے اس عمل میں جس سے نسل انسانی کا ہر اجتماع اور معاشرہ گزرتا رہا ہے اگر انسان کی روحانی اور نفسیاتی رہنمائی اور تربیت کا نظام موجود نہ ہو یا معاشرہ اس نظام کے ہوتے ہوئے بھی اس سے جڑا ہوا اور منسلک نہ ہو تو انسان کی ماضی کی ہزاروں سالہ تاریخ کا تجربہ شاہد اور گواہ ہے کہ اس مادی تمدنی ارتقاء وترقی کے ساتھ شر اور فساد بھی گوناگوں صورتوں میں ترقی کرتا جاتا ہے اور تمدن ومعاشرہ کے رگ وریشے میں یہ بگاڑ اور فساد سرایت کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی فرد کے خون کے شریانوں میں دوران خون کے ساتھ گردش کرنے لگتا ہے، یہ شر وفساد معاشرے کو اندر سے گھن کی طرح چاٹ لیتا ہے گو صورتاً تمدن اپنی چکا چوندی سے آنکھوں کو خیرہ کئے دیتا ہو لیکن یہ معاشرہ اب ایک بے روح معاشرہ ہوتا ہے، اخلاق انسانی اور ملکوتی صفات (جو اس کی فطرت کا اصل جوہر ہے) کی روح سے خالی یہ ایک چلتا پھرتا حیوانی لاشہ ہوتا ہے جس کا بوجھ زندگی اپنے کاندھوں پر لادے ہلاکت کے کسی عمیق اور تاریک غار کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے اور آخر ایک دن تباھی اور ہمیشہ کے خسران کے آغوش سے اسے ہمکنار کردیتی ہے۔

خَسِرَ الدُّنیَا وَالْآخِرَۃِ ذَالِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ الآیۃ

ایک مدت تک تو ناصح غم پہ غم کھایا کیا آخر ایک دن اسے گور کے منہ کا نوالہ کیا

انسان روح اور بدن سے مرکب ہے دونوں کی غذا اور ضروریات مستقل ہیں۔ بدن کے عناصر ترکیبی کی شیرازہ بندی اس خاکدان ارضی سے ہوئی ہے اس جہان رنگ و بو کے خمیر سے اس کے بدن نے نمو پایا ہے اور اس کے جسم کی اٹھان ہوئی ہے اس لئے بدن کی غذا اور ضروریات بھی اس سفلی کائنات کے عناصر و جواہر سے فراہم ہوتی ہے اور اس فراہمی کا عملی نظام انسان معاشرتی زندگی اختیار کر کے تشکیل دیتا ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل گزری۔لیکن روح اس فانی دنیا کی چیز نہیں یہ لطیف جوہر آسمانوں کے اوپر سے براہ راست ماں کے رحم میں اتارا جاتا ہے اور جنین کے جسم میں ڈالا جاتا ہے اور زندگی کے سارے ہنگامے، ساری چہل پہل اسی کے دم قدم سے ہے، یہی زندگی کا سر چشمہ ہے، یہ اصل ہے انسان کا یہ گوشت پوست کا بدن اس کی سواری اور اس کا ظرف ہے، اس لطیف جوہر کی غذا بھی لطیف ہے جو کہ وہیں سے آتی ہے جہاں سے خود یہ روح آئی ہے اور وہ غذا رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعے آسمانی تعلیمات، الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں اور صحیفوں کی صورت میں آتی رہی۔ یہ غذا پا کر ہی بے قرار روح سرشار ہوتی ہے اور انسان کے صورت وسیرت اور ظاہر و باطن کی تکمیل ہوتی ہے انسان انسانیت کے راز کو پالیتا ہے اور اپنے مقصد تخلیق سے آشنا ہو جاتا ہے زندگی کا کٹھن سفر آسان ہو جاتا ہے، گمشدہ جنت کی منزل قریب آجاتی ہے۔

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں ہوا کے رخ بھی بدل گئے تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا چراغ راہ کے جل گئے

اللہ تبارک و تعالی نے پہلے دن سے ہی انسان کی ان دونوں قسم کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ جسمانی ضروریات پوری کرنے کے لئے عقل وحواس اور قوٰی و استعداد دی کہ ان کے ذریعے اس زمین سے انسان اپنی حاجات وضروریات پوری کرے اور روح کی غذا کی فراہمی کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جو انسان کو اس کے مقصد تخلیق سے آگاہ کرتے رہے۔اس کائنات میں اس کی اصل حیثیت اور ذمہ داریوں سے اسے واقف کراتے رہے، اللہ تبارک وتعالی سے اس کا رشتہ وتعلق جوڑنے کی کوشش کرتے رہے۔لیکن اکثر و بیشتر یہ ظلوم وجہول انسان کائنات میں اپنی اصل حیثیت اور نازک ذمہ داریوں کے متعلق مغالطے کا شکار ہوتا رہا، مادی کائنات اور جسمانی وحیوانی تقاضوں کو ہی اول و آخر سب کچھ سمجھتا رہا، انبیاء کرام کی تعلیمات کو جھٹلا دیتا، ساری دوڑ دھوپ اور تگ و دو زندگی کے مادی وجسمانی تقاضوں کو

پورا کرنے کے لئے ہی کرتا رہا جس سے روح میں خلا پیدا ہو جاتا ہے مادی ونفسانی قوتیں بے لگام ہو جاتی ہیں، کسی اخلاقی ضابطے کا انسان اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتا، سفلی خواہشیں اور بہیمی وحیوانی تقاضے پورے کرنا زندگی کا واحد مقصد ٹھہرتا ہے اور خواہشات کا عالم یہ ہے کہ وہ لامحدود ہیں۔اور ایسی ایسی خواہشیں اس خاک کے پتلے کے دل ودماغ میں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں کہ ساری دنیا کے خزانے اسے مل جائیں تب بھی اس کے حرص کی آگ نہیں بجھتی ہر آن ''ھل من مزید'' کی صدائیں اس کے معدے کی اتھاہ گہرائیوں سے بہ تسلسل بلا تعطل اٹھتی ہیں جس کے نتیجے میں پہلے انفرادی زندگی بہیمیت کے بھینٹ چڑھتی ہے پھر تمدنی ومعاشرتی زندگی بھی داؤ پر لگتی ہے، اور معاشرے میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول نافذ ہو جاتا ہے حرص وخواہش جب بے لگام ہوتی ہے تو پھر یہ خاک کا پتلا انسانیت کے جامے میں رہنے میں بھی گرانی محسوس کرتا ہے، اور خدائی کے دعوے کرنے پر اتر آتا ہے اور اپنے ابناء جنس کو طاقت کے زور پر اپنا بے دام غلام بنا کر لذت بہیمیت کو تسکین دیتا ہے، کائنات کا رب، انسان اور ساری موجودات کا خالق اور آسمانوں کا خدا ایک وقت تک تو ڈھیل پر ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑنے پر آتا ہے تو کہیں خدائی کا دعویدار اور رب اعلیٰ ہونے کا نعرہ بلند کرنے والا فرعون لاؤ ولشکر کے ساتھ بحر احمر کی خونی لہروں کی نذر ہو جاتا ہے اور کبھی وقت کا بہت بڑا سرمایہ دار، ماہر معاشیات (Economist) قارون زمین میں دھنستا چلا جاتا ہے اور وہ منظر بھی اس بوڑھے آسمان نے اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا ہے جب ایک بہت بڑی تجارت پیشہ قوم، قوم شعیب جن کے لینے کے باٹ اور تھے اور دینے کے باٹ اور تھے اور جنہوں نے آج کی مغربی قوموں کی طرح (بلکہ اب تو کیا مشرق کیا مغرب انسانیت اور فطرت سے بغاوت کے حمام میں سارے ہی ننگے کھڑے ہیں) خدا کی بنائی اور انسانوں کی بسائی ہوئی دنیا کو ایک قمار خانہ سمجھ رکھا تھا وہ جب طغیان و سرکشی میں حد سے گزر گئے تو بادل پانی برسانے کی بجائے آگ بن کر ان پر برس پڑے اور سب کو جلا کر بھسم کر دیا۔آج دنیا پھر ہلاکت کی ان ہی تاریک راہوں پر گامزن ہے جس کا ایک رخ معاشی ناہمواری اور سرمایہ دارانہ جبر اور سودخوری وناجائز منافع خوری پر مبنی موجودہ عالمی معاشی نظام ہے، سرمایہ داری پر مبنی اس طاغوتی نظام اور سسٹم نے دنیا کے ہر خطے میں ایک مخصوص مراعات یافتہ طبقہ پیدا کر کے اس کو پال پوس کر جوان کیا اور پھر معیشت واقتصاد اور سب ذرائع پیداوار کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دے کر اسے قوموں اور معاشروں پر پوری طرح اجارہ داری، تسلط اور بالادستی عطا کی ہے۔ریاستوں اور مملکتوں کا اصل حکمران

بھی پس پردہ یہی طبقہ ہوتا ہے، باقی نظام وسسٹم کے بدلتے چہرے ان کے مادی ومعاشی جوئے میں شطرنج کے مہروں کی حیثیت رکھتے ہیں اس مراعات یافتہ طبقہ نے انسانوں کا خون چوس لیا ہے اپنی پالیسیوں اور نظام کی وجہ سے اصل محنت کرنے والے طبقوں کے خون پسینے کی کمائی پر یہ ڈاکہ ڈال لیتا ہے۔اس نظام سرمایہ داری نے ساری دنیا کو ایک وسیع وعریض قمار خانہ بنایا ہوا ہے، اقتدار اعلیٰ کے ہر شعبے پر طاغوتی نظام کے یہ شطرنجی مہرے براجمان ہیں۔ اور محنت و پیداوار کے تبادلے کے ہر موڑ ہر مرحلے پر اس نے ناکہ بندی کی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں ستم رسیدہ عوام اور وہ تمام پسماندہ طبقات جو اپنا خون پسینہ ایک کر کے زمین سے اناج، غلوں، ترکاریوں، پھلوں کی صورت میں پیداوار اگاتے ہیں، کانوں سے معدنیات نکالتے ہیں، پہاڑوں اور جنگلوں سے شجر وحجر اور نباتات فراہم کرتے ہیں صنعتوں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں مصنوعات تیار کرتے ہیں، اور اس طرح زندگی کی گاڑی کو ایندھن اور حیات انسانی کو تمام ضروریات فراہم ہوتی ہیں لیکن انسانیت کے ان اصل محسنوں کی اور بنیادی ضروریات پیدا کرنے والے ان جفاکش کارکنوں کی زندگی تلخ ہے۔ان کے ارمانوں کا قدم قدم پر خون ہوتا ہے۔ بقول اقبال مرحوم

ع ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

ان کا پیدا کیا ہوا راس المال اور بنیادی ضروریات زندگی میں کام آنے والی حقیقی پیداوار اور ان کی محنت و ہنر کو بازاروں کے ساہوکار، منڈیوں کے آڑھتی، سرمایہ داروں کے دلال، صنعتوں، ملوں اور فیکٹریوں کے خدا فراموش ناخدا کوڑیوں کے بھاؤ خرید لیتے ہیں اور پھر سونے کے بھاؤ منڈیوں اور بازاروں میں گردش میں لاتے ہیں۔ اسلام کس قسم کا معاشی نظام تشکیل دیتا ہے؟ شریعت محمدیہ کے اقتصادی ضابطے اور اصول کیا ہیں اور وہ اس فطری نظام سے کس قدر ہم آہنگ ہیں جس کا نقشہ ابھی شروع میں ہم نے کھینچا اس کی تفصیل تو ذرا آگے آئے گی، پہلے ہم آپ کے سامنے اس سرمایہ داری طاغوتی نظام کے ان بنیادی تباہ کن اصولوں یا بالفاظ دیگر جرائم کی فہرست رکھتے ہیں جس کا نتیجہ آج عالمی پیمانے پر طبقاتی کشمکش اور مراعات یافتہ ومفلوک الحال دو طبقوں میں انسانیت کا تقسیم ہو جانے اور ایک عالمگیر بے چینی کی صورت میں نکل رہا ہے، اور انسانی زندگی کا وہ فطری اور قدرتی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے جو دنیوی امن وسکون کا باعث تھا اور اخروی سعادتوں کے حصول کے لئے سازگار ماحول بھی وہ فراہم کرتا ہے مزید یہ کہ اعلیٰ انسانی اقدار و ملکوتی صفات سے متصف ہونے کے لئے انسان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ (جاری ہے......)

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

راستہ کے آداب (قسط ۱)

راستہ وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کا گزر ہوتا ہو، خواہ پیدل گزر ہوتا ہو یا سواری وغیرہ سے گزر ہوتا ہو۔

ہماری شریعت نے راستہ کے بھی ہم پر حقوق عائد کئے ہیں، ان حقوق کو پہچاننا اور ادا کرنا ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے مختلف موقعوں پر راستے سے متعلق مختلف ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، اُن میں سے چند ایک ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

ایک حدیثِ مبارکہ میں راستے کے حقوق کی تفصیل حضورِ اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ:

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو لیکن اگر تمہارا راستے میں بیٹھنا اور مجلس کرنا بہت ضروری ہو (مثلاً دوکان یا اور کسی ضرورت کی وجہ سے راستے میں بیٹھنا پڑتا ہو) تو پھر نظر نیچی رکھو اور دوسروں کو تکلیف دینے سے باز رہو اور سلام کا جواب دو اور نیکی کا حکم دو اور بُرائیوں سے روکو (بخاری ج۱ ص۳۳۳)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں راستہ کے حقوق کی اصولی انداز میں نشاندہی فرما دی۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے سامنے میری اُمت کے اچھے اور بُرے اعمال پیش کیے گئے، اُن اچھے اعمال میں سے میں نے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا پایا اور بُرے اعمال میں سے میں نے مسجد میں بلغم تھوکنا (یا اُس کو کسی طرح گندا کرنا) پایا'' (مسلم، ج۱ ص۲۰۷)

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ایمان کے ستّر سے کچھ اوپر شعبے ہیں جن میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی توحید کا اقرار کرنا) ہے اور سب سے آخری درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز دُور کر دینا ہے (مسلم ج۱ ص۴۷)

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ایک شخص راستے سے گزر رہا تھا کہ اُس نے راستے میں ایک کانٹے دار جھاڑی پائی، اُس نے وہ جھاڑی اُٹھا کر راستے کے ایک طرف رکھ دی (تا کہ دوسرے راہ گیروں کو جھاڑی سے تکلیف نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ نے اُس آدمی کا یہ عمل قبول فرمالیا اور اُس کی بخشش فرمادی'' (ترمذی، ج۲ص۱۷)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ابنِ آدم کے جسم میں تین سو ساٹھ ہڈیاں ہیں اور اُس پر ہر روز ہر ہڈی کے بدلے صدقہ کرنا لازم ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسافر کو سیدھا راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بھی صدقہ ہے (کنز العمال ج۶ص۴۳۴ بحوالہ ابن السنی وابی نعیم فی الحلیۃ)

اب راستہ کے چند آداب بیان کئے جاتے ہیں:

✪ ...... سب سے پہلے تو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ راستوں میں بیٹھا ہی نہ جائے، اس سے انسان کئی خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے، چنانچہ یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جولوگ راستوں میں بلاضرورت بیٹھتے ہیں وہ کئی قسم کے فتنوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان کو کئی بری عادتیں پڑ جاتی ہیں اور وہ عموماً دوسرے لوگوں کو ایذاء اور تکلیف کا بھی باعث بن جاتے ہیں۔

✪ ...... راستہ کا ایک بڑا حق یہ ہے کہ اپنی نظروں کی حفاظت کی جائے، کیونکہ راستہ سے ہر قسم کے لوگوں اور عورتوں کا گزر ہوتا ہے، اور راستہ میں بیٹھنے والا انسان بدنظری میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات گزرنے والوں کے متعلق تجسس بھی کرنے لگتا ہے، اور تجسس کرنا گناہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کے عیوب بھی تلاش کرتا ہے اور بعض اوقات دوسروں کے استہزاء کا بھی باعث بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ضرورت کے وقت راستہ میں بیٹھنے والے کو ان سب گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

✪ ...... راستہ میں جو مسلمان ملے اسے سلام کرنا چاہئے اور اگر دوسرا سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا چاہئے۔

✪ ...... راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، لہٰذا راستہ میں کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی ملے جو دوسرے کی تکلیف کا باعث ہو تو اسے وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔

✪ ......راستہ میں پیشاب پاخانہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

✪ ......راستہ پر کوئی ایسی چیز نہ پھینکی جائے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو اور وہ پھسل کر گر پڑے، مثلاً کیلے اور آم کے چھلکے وغیرہ۔

✪ ......کسی راہگیر کو راستہ صحیح صحیح بتلا دینا عبادت ہے۔

✪ ......اگر راستہ میں کوئی گڑھا پڑ گیا ہو جس میں پانی جمع ہو جاتا ہو، یا اس کی وجہ سے اچانک کسی آنے والے کے گرنے کا خطرہ ہو تو اس کی اصلاح کرا دینی چاہئے۔

✪ ......راستوں پر جو پانی کی ٹونٹیاں اور نلکے وغیرہ لگے رہتے ہیں، اگر وہ خراب ہو گئے ہوں تو ان کی اصلاح کرا دینا ثواب کا کام ہے، ان کاموں میں شرکت کرنی چاہئے۔ اگر پانی بہہ رہا ہو تو اس کو ضائع ہونے سے بچانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

✪ ......ہر مسلمان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ عام گزرگاہیں کسی شخصِ واحد کی ذاتی ملکیت اور جاگیر نہیں ہوتیں، بلکہ گزرگاہوں سے عام لوگوں کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں، جن میں امیر بھی شامل ہیں، غریب بھی، چھوٹے بھی بڑے بھی، اس لئے راستوں اور گزرگاہوں میں ایسا تصرف اور تغیر کرنا جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو، ہرگز بھی جائز نہیں۔

✪ ......آج کل بہت سے لوگ راستوں کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ کر نہ جانے کیا کیا حرکتیں کر گزرتے ہیں، خاص طور پر کسی خوشی اور غمی کے مواقع پر تو پورے راستے بند کر کے لوگوں کی ایذاء اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں، کوئی جلسہ جلوس منعقد کرنا ہو اس موقعہ پر بھی راستے بلاک اور بند کر دیئے جاتے ہیں، اور اسی طرح تعمیر اور صفائی وغیرہ کے موقعہ پر خوامخواہ لمبے عرصہ تک گھر کا سارا ملبہ اور کوڑا کرکٹ یا غیر ضروری مٹیریل راستوں اور گلیوں میں ڈالے رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف وایذاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس طرزِ عمل کی اصلاح ضروری ہے۔

✪ ......بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ پیدل یا گاڑی میں سوار چلتے چلتے کسی سے بات چیت کرنے یا کسی کو گاڑی میں بٹھانے کی غرض سے راستہ کے درمیان ٹھہر کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور گزرنے والوں کے لئے رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ اس حرکت سے بھی بچنا چاہئے۔ اور اپنی ضرورت راستہ سے ہٹ کر کنارہ پر کھڑے ہو کر پوری کرنی چاہئے۔

(جاری ہے......)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیحُ الامت (قسط۸)

(بنام محمد رضوان)

''مسیحُ الامت حضرت مولانا محمد مسیحُ اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے''

تیسرا باب (مسائل)

اس باب میں چندوہ اُمورجمع کئے گئے ہیں ،جووقتاً فوقتاً مسائل کے رنگ میں مسیحُ الامت حضرت مولانا محمد مسیحُ اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بندہ نے پیش کئے،اگر چہ مسائل کے جوابات تحریر فرمانا یہ حضرت کے منصب میں داخل نہیں تھا، کیونکہ مسائل اوراستفتاء کے جواب کے لئے مدرسہ مفتاحُ العلوم جلال آباد میں اس وقت جید مفتیانِ کرام موجود تھے،اس زمانہ میں دارالافتاء کے رئیس حضرت مولانا مفتی نصیراحمد صاحب رحمہ اللہ تھے، جو بندہ کے کئی کتب میں استاد بھی تھے،اور بلاشبہ نصیرُ الامت والفقہ کا خطاب پانے کے مستحق تھے،اور نائب مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب زیدمجدہم (شاگردِ رشید حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ) تھے،اور بحمداللہ تعالیٰ تاحال مدرسہ مفتاحُ العلوم کے دارالافتاء میں رئیس ہیں،حضرت مسیحُ الامت رحمہ اللہ کی اصلاحی مکاتبت ومجالست سمیت مفتاحُ العلوم کی سرپرستی جیسی اہم خدمات میں مصروفیات کی وجہ سے مسائل اوراستفاء کے جوابات تحریرفرمانے کی فرصت کہاں تھی؟ لیکن یہ حضرت مسیحُ الامت رحمہ اللہ کی کرم فرمائی تھی کہ آپ اصلاحی مکاتبت کے ضمن میں آنے والے بہت سے مسائل کے جوابات تحریرفرمادیا کرتے تھے،اس موقع پر یہ امرملحوظ رکھناضروری ہے کہ حضرت مسیحُ الامت رحمہ اللہ نرے صوفی ہی نہیں تھے، بلکہ کامل اورمحقق صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ محدث، مدرِّس اورعظیم فقیہ بھی تھے،حضرت والا کی فقاہت کی شان آپ کی تحریراورتقریر سے واضح تھی ،ایک زمانہ میں حضرت والا باقاعدہ بنفسِ نفیس استفتاء کے جوابات بھی تحریرفرماتے رہے ہیں، حضرت والا کے قلم مبارک سے تحریرشدہ بعض فتاویٰ کی نقول مدرسہ مفتاحُ العلوم کے دارالافتاء کے رجسٹر میں بندہ نے

خود ملاحظہ کی ہیں۔ حضرت والا کے جوابات نہایت جامع اور مکمل ہوا کرتے تھے، جو فقاہت کی باریکیوں سے لبریز ہوتے تھے، اور حضرت والا کی نظر بیک وقت فقہ ظاہر و باطن دونوں پر ہوا کرتی تھی، جس کی وجہ سے حضرت والا کی تعلیمات بحمد اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ تھیں، یہ جامعیت کی صفت اس زمانہ میں خال خال ہی نظر آتی ہے، کہیں فقہ ظاہر ہے تو فقہ باطن نہیں، کہیں فقہ باطن ہے تو فقہ ظاہر نہیں۔

کبھی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

عرض......تصوف کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور نیز مشتق اور مشتق منہ صوفی اور صوف میں کیا مناسبت ہے

ارشاد......زبانی [۱]

عرض...... جب دو شرعی احکام کا سامنا ہو اور دونوں میں تباین کی نسبت ہو کہ اگر ایک کو کیا جائے تو دوسرا نہ کیا جا سکے اور بظاہر کوئی مرجح (ترجیح کی وجہ) بھی ذہن میں نہ آوے تو کون سے عمل کو ترجیح دی جائے۔

ارشاد......وقتی طور پر جس کا کرنا اول ہو اور دوسرا بعد کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ وقتی کو مقدم۔ [۲]

عرض......اگر عطر کی جگہ سینٹ (پرفیوم) استعمال کیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔

ارشاد......خلافِ احتیاط ہے۔ [۳]

عرض......عمامہ اور تہبند جبکہ مسنون ہے اور ان کا ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے نیز گول ٹوپی کا ثبوت بھی سیرتِ نبی سے ہے تو پھر بعض اکابر اور بزرگوں کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے بندہ کا فہم قاصر ہے تقویٰ

---

[۱] ہر سوال کا جواب دینا عقل مندی کی نشانی نہیں، بعض اوقات سوال ہی اتنا بے ڈھنگا ہوتا ہے کہ اُس کے جواب کے بجائے سائل کی کسی اور طریقہ پر اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی قسم کی صورتِ حال مندرجہ بالا مسئلہ میں پیش آئی کہ حضرت والا نے اس سوال کے جواب کے بجائے بندہ کی دوسرے طریقہ پر اصلاح فرمائی اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اس قسم کی چیزوں کے اُدھیڑ بُن کی ایک مبتدی سالک کو ضرورت نہیں ہوتی، اُس کو تو چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح میں یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہے، اوّلاً تو اس قسم کی تحقیق نہ فرض ہے اور نہ واجب، اصل چیز تزکیۂ نفس ہے اور اگر علمی درجہ میں ان چیزوں کی تحقیق کی ضرورت بھی ہو تب بھی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ابتداءً ان کو زبانی کلامی اور تحریری انداز میں سمجھنا مشکل ہے، اور جب عملاً اس شعبہ سے وابستگی ہو جائے تو اس قسم کی علمی چیزیں بھی آہستہ آہستہ سمجھ آنے لگتی ہیں، پھر ان تحقیقات کے لئے معتبر کتب کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔

[۲] حضرت والا نے نہایت جامع اُصول بیان فرما دیا کہ جس کام کو بعد میں نہ کیا جا سکتا ہو اور اُس کو موجودہ وقت میں ہی کرنے کی ضرورت ہو اُس کام کا کرنا ایسے دوسرے کام پر مقدم ہوگا جس کو بعد میں بھی کیا جا سکتا ہو۔

[۳] بعض اہلِ علم حضرات نے عام حالات میں پرفیوم کے استعمال کو مکروہِ تنزیہی یا خلافِ احتیاط ہی قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں الکوحل کے شامل ہونے کا امکان ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ الکوحل کون سی قسم کی اور کس نوعیت کی ہے، انگور اور کھجور سے تیار شدہ الکوحل کا استعمال تو جائز نہیں (جبکہ اس کی حقیقت اور ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو) اور دوسری چیزوں سے تیار شدہ الکوحل کا پرفیوم کے طور پر استعمال جائز ہے، اگرچہ بہتر نہیں۔

اور تورع کا تقاضا کیا ہے؟

ارشاد......زبانی بعد عصر۔ [۱]

عرض......آجکل تفرقہ بازی عروج پر ہے حتیٰ کہ ایک ہی بستی میں رہنے والوں کی ایک معاملہ کے بارے میں آراء مختلف نظر آتی ہیں ایسے معاملات میں اگر کوئی کمیٹی قائم کی گئی ہے اور اس میں شرکت کی دعوت دی جارہی ہے کیا شرکت مناسب ہے؟

ارشاد...... یہ نمبر زبانی بات ہووقت معلوم کر لینا۔ [۲]

عرض......آپ والا کے پاس بکثرت لوگ دعاؤں کے لئے حاضر ہوتے ہیں آپ والا عام طور پر یہ دعا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی تمنائیں اور مرادیں جو آپ لوگوں کے دلوں میں ہیں خیر وخوبی سے پوری فرمائیں اب جبکہ بعض لوگوں کے دلوں میں ناجائز تمنائیں اور مرادیں بھی ہوتی ہوں گی ایسی صورت میں عام دعا کر دینا صحیح ہوگا؟ احقر کو نعوذ باللہ کوئی اعتراض نہیں لیکن اپنی کم علمی کی وجہ سے کم فہمی میں مبتلاء ہوں اس لئے احقر کی کوتاہی ہے نہ کہ آپ والا کی۔

ارشاد......مراد جائز ہے۔ [۳]

عرض......غیر مسلم اگر اپنے حق میں دعا کی درخواست کرے تو کس طرح دعا کی جائے۔

ارشاد......آپ کی تمنا بھلائی کے ساتھ پوری ہو۔ [۴]

عرض......: جب دو یا زیادہ مسجدوں میں اذان ہو رہی ہو تو کونسی کا جواب دینا چاہئے ایک کا یا سب کا۔

---

[۱] حضرت والا نے اس شبہ کا جواب زبانی طور پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ عمامہ اور تہبند وغیرہ سُنَنِ عادیہ میں سے ہیں، جن کو سُنَنِ زوائد بھی کہا جاتا ہے، ان کی تاکید اتنی نہیں ہے کہ اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو قابلِ ملامت ہو اور جس علاقہ میں علماء وصلحاء کا جو لباس مروّج ہو، اس کو اختیار کرنا اقرب الی السنۃ کہلاتا ہے، بوجہ حدیث ''مارآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن'' اور جب کسی ایسے عمل میں جس کو کرنا شریعت کی طرف سے مؤکّد نہ ہو، کوئی منکر مثلاً التزام اور ضروری سمجھ لینا وغیرہ شامل ہو جائے تو عملاً بھی اس کی خلاف ورزی کی بطورِ خاص مقتداء حضرات کی طرف سے ضرورت ہو جاتی ہے، اور یہ بھی تبلیغ کی ایک قسم ہے یعنی ایک تو تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ قولاً اس کے مؤکّد اور ضروری ہونے کی نفی کی جائے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ عمل سے اس کے مؤکّد وضروری ہونے کی نفی کی جائے، جس کی صورت اس عمل کو ترک کر دینا ہے، تاوقتیکہ مقصود پورا نہ ہو جائے، مقتداء حضرات کی طرف سے تبلیغ کی دونوں صورتیں جاری رہی ہیں۔

[۲] اس سلسلہ میں حضرت والا نے پہلے تو صورتِ مسئولہ کی پوری وضاحت معلوم کی تھی، اور پھر اس سلسلہ میں حتمی رائے یہ قائم فرمائی تھی کہ طلبہ کے لئے ایسے اُمور میں شرکت مناسب نہیں۔

[۳] گویا کہ معنًی نسبت جائز اُمور کی طرف ہوتی ہے، اگرچہ لفظًا نہ ہوتی ہو۔

[۴] غیر مسلم کے لئے بحالتِ کفر مغفرت وغیرہ کی دعا کرنا تو جائز نہیں، البتہ ایسی دعا کی جاسکتی ہے جس سے دنیا کے اعتبار سے اس کو بھلائی حاصل ہو اور بھلائی کا اطلاق دنیا کی خیر اور بھلائی بلکہ ہدایت کی توفیق پر بھی آتا ہے۔

ارشاد......بس ایک پہلی کا۔

عرض......اگر کسی صاحب کا خط آیا جس میں السلام علیکم لکھا ہے تو جواب زبان سے دینا ضروری ہے کہ نہیں۔

ارشاد...... جواب میں السلام علیکم لکھدیا جواب ہوگیا زبان کو حرکت ہوگئی۔ ۱

عرض......اگر کوئی صاحب تحریر فرمائیں کہ فلاں صاحب کو سلام عرض کر دینا تو ان کو سلام پہنچانا ضروری ہے یا اگر خط پڑھنے کے لئے دیدیا تو کافی ہوگا۔

ارشاد......اگر اقرار کیا تو پہنچادیں۔ ۲

عرض......اگر کسی کو سلام اس کا نام لے کر کیا جائے مثلاً عبداللہ صاحب السلام علیکم تو کیا درست ہے یا نام لئے بغیر کرنا چاہئے اور ایک سے زیادہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

ارشاد......دونوں طرح درست ہے لیکن نام لیکر کیا تو اسی پر جواب ہے ورنہ مجمع سے جو جواب دیدے۔۳

عرض......بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ رمضانُ المبارک کے آخری عشرے میں ایک قرآن مجید تراویح میں دوسری مسجد میں سنا دیا جاوے اور پہلا قرآن مجید بیس رمضان تک ختم کر دیا جاوے۔

ارشاد......اپنی صحت وسہولت اور مقتدیوں کی رضاء پر ہے۔ ۴

عرض......مساجد کی چیزوں کو (مثلاً پنکھے) نماز کے علاوہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں جیسے پنکھے چلا کر تلاوت کرنا۔

ارشاد......مسجد میں درست ہے۔ ۵

﴿بقیہ صفحہ ۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

---

۱ مطلب یہ ہے کہ قلم زبان کا معبر اور سفیر ہے، اسی لئے کہا گیا ہے "القلم احد اللسانین" لہٰذا لکھنے سے زبان سے جواب کا وجوب ادا ہو جاتا ہے۔

۲ اقرار کرنے کے بعد کیونکہ اس کی صورت وعدہ کی بن جاتی ہے، اس لئے ایفائے وعدہ کے طور پر سلام پہنچانا لازم ہونا چاہئے، خواہ زبانی یا تحریر دِکھلا کر، باقی اس کا جواب یہ دوسرے کی اپنی ذمہ داری ہے۔

۳ یہ مسئلہ فقہاء کی تصریحات کے عین مطابق ہے۔

۴ اس سلسلہ میں حضرت والا نے زبانی طور پر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مروَّجہ شبینوں کا جو سلسلہ چلا ہوا ہے وہ عموماً ایک رواجی چیز بن گئی ہے، اگرچہ تراویح میں ہی کیوں نہ ہو، اس لئے مروَّجہ طریقے کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔

۵ جس کی وجہ یہ ہے کہ چندہ و اشیاء دہندگان کی طرف سے ان چیزوں کے مسجد میں استعمال کی دلالتاً اجازت ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ کوئی عبادت تلاوت وغیرہ کی جارہی ہو۔

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس مفتی محمد رضوان

❖ ادارہ کے نصاب کی بنیاد کِن خطوط پر ہونی چاہئے

مورخہ ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ بروز جمعہ، بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء ادارہ غفران راولپنڈی میں ادارہ کے اساتذہ و معلمین کا ادارہ میں جاری تعلیمی نصاب پر غور وفکر کرنے کے لئے اجلاس ہوا۔ جس میں حضرت مدیر ''مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم'' نے کئی مفید اور کارآمد باتوں پر روشنی ڈالی جن کو محفوظ کرلیا گیا، اور افادۂ عام کی خاطر ذیل میں شائع کیا جارہا ہے (ادارہ......)

ہم نے جو ادارہ غفران میں مروَّجہ درسِ نظامی اور وفاق سے علیٰحدہ اور اس سے کچھ مختلف اپنا نصاب تشکیل دیا ہے اس کی وجوہات آپ حضرات کے سامنے مختلف اوقات میں ذکر کی جاتی رہی ہیں، اور کی جاتی رہتی ہیں، اور جوں جوں وقت گزر رہا ہے اور ہم تجرباتی مراحل سے گزر رہے ہیں، یوں یوں ہی ہمیں اپنے تجویز کردہ نصاب کی بہترائی اور کسی وفاق سے الحاق نہ کرنے میں شرح صدر ہوتا جارہا ہے۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کسی وفاق کے ساتھ الحاق کرنے کے بعد ہمیں نصاب میں زمانہ وحالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ترمیم وتبدیلی کا خود سے کوئی اختیار نہ ہوتا۔ وفاق کی نہج کیونکہ بہت وسیع ہوتی ہے اور وفاق کی سطح پر نصاب میں کوئی غیر معمولی تبدیلی لانا اور اس کو پھر نافذ کرنا آسان کام نہیں ہوتا، جب نظام وسیع ہوتا ہے تو مسامحت اور رعایتوں کا میدان بھی وسیع ہوتا ہے، سب کو ساتھ لے کر چلنا سہل کام نہیں ہوتا۔ دوسرے غیر معمولی اقدامات اٹھانے کے لئے دل گردہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس میں بہت سوں کو ناراض بھی کرنا پڑتا ہے، ایسے موقع پر بہت سے لوگ الحاق سے خروج بھی اختیار کر لیتے ہیں، اس لئے میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے بڑی ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر وہ نہ ہو تو پھر گاڑی نہیں چلتی، اور پھر اس وسعت والی رعایت سے کام کی نوعیت عام تو ہوتی رہتی ہے، مگر تام نہیں ہوتی، اور جب تک کام تام نہ ہو اُس کام کا صرف عام ہونا اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا البتہ بعض جزوی فوائد ضرور حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ بہرحال وفاق اپنے مخصوص اغراض ومقاصد اور تقاضوں کے پیش نظر بہت سے ایسے اقدامات کرنے سے قاصر ہے جن کی ایک طرح سے ضرورت ہے، خود وفاق کے ساتھ الحاق شدہ بہت سے بڑے جامعات ومدارس کے ذمہ داران کو وفاق کی سطح پر جاری

نصاب سے جزئی یا کُلّی اختلاف ہے اور با قاعدہ ان کی تحریرات اس سلسلہ میں موجود ہیں مگر باوجود مدتِ دراز گزرنے کے وہ صرف کاغذوں کی زینت ہیں، بلکہ خود وفاق کے اہلِ حل وعقد بعض تو کوئی تجویز منظور کرتے ہیں، مگر وہ عملاً نافذ نہیں ہوتی۔

ہم یہاں اس بحث میں پڑنا اس وقت مناسب نہیں سمجھتے کہ اہلِ وفاق کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایک تو ہم دوسروں کے مقابلہ میں اپنے عمل کے ذمہ دار اور مکلّف پہلے ہیں، دوسرے آجکل سننے اور برداشت کرنے کا مزاج بھی نہیں، اس لئے اس قسم کی باتوں کو مخالفت برائے مخالفت پر محمول کیا جاتا ہے، تیسرے کوئی توقع بھی نہیں، جب بڑے بڑے اکابرین کی پیش کردہ ہدایات وترمیمات اور تجویزات کو قابلِ اعتناء یا قابلِ عمل نہیں سمجھا جاتا تو ہم کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

بہرحال ہمیں ادارہ کے نصاب کی ترتیب وتشکیل دیتے وقت ادارہ اور مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر کے تقاضوں اور معلمین واساتذۂ کرام کی خوشنودیوں اور مدارس میں رائج مخصوص نصاب کی رعایت کے بجائے باہر لوگوں کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنے کی زیادہ ضرورت ہے کہ اس وقت لوگوں کو کن شرعی مسائل اور احکامات کی ضرورت ہے اور اس وقت ایک عالمِ دین کے لئے کونسا نصاب لوگوں اور معاشرہ کی ضرورت کو پورا کرسکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں غیر معمولی تبدیلی آچکی ہے جو تبدیلی پہلے زمانوں میں صدیوں میں آتی تھی وہ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ سالوں اور مہینوں میں آرہی ہے اور غیر معمولی تبدیلی کے اعتبار سے موجودہ صدی گذشتہ تمام صدیوں سے زیادہ تیز رفتاری کی حامل ہے۔ لیکن بقول حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کے کہ جو صدی نصاب کے اعتبار سے زیادہ تبدیلی اور تنوع کی حامل تھی بدقسمتی سے وہی صدی نصاب کے اعتبار سے زیادہ جامد رہی ہے، اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس صدی کے تقاضوں کا صحیح حق ادا نہیں کیا جاسکا، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بقول ہم آج بھی بازار میں پرانے منسوخ شدہ سکے لئے پھر رہے ہیں۔

میں اعتماد اور شرح صدر کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ موجودہ درسِ نظامی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد عموماً ایک عالمِ دین کے اندر وہ صلاحیت اور وہ استعداد پیدا نہیں ہو پاتی جو اِس وقت ایک عالمِ دین کی شان ہونی چاہیئے، کیونکہ ہر علاقہ کے لئے ایسے عالمِ دین کا وجود فرضِ کفایہ ہے کہ جو علاقہ کے لوگوں کو روزمرہ پیش آنے والے مسائل بتلا سکے اور ہم دیکھتے ہیں کہ دورہ حدیث اچھی استعداد کے ساتھ پاس

کرنے کے باوجود ایک عالمِ دین میں یہ استعداد پیدا نہیں ہوتی، اور فرضِ کفایہ تو بعد کی چیز ہے اِس دور کے اعتبار سے فرضِ عین مسائل واحکام پر خود اپنے آپ کو بھی عبور نہیں ہو پاتا، البتہ فقہا، محدثین، متکلمین، نحویین، صرفیین اور منطقیین وغیرہ کی روائتی اختلافی بحثیں یاد ہو جاتی ہیں ان میں بھی زیادہ حصہ ایسے مواد پر مشتمل ہوتا ہے جن کی خود اس عالم کو اور اس سے متعلقہ کسی انسان کو زندگی بھر عملی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ عوام کو روزمرہ پیش آنے والے معاملات سے عموماً ان بحثوں کا کوئی خاطر خواہ تعلق نہیں ہوتا۔ ہمیں نصاب برائے نصاب نہیں پڑھانا چاہیئے کہ پڑھ لینے کے بعد رواجی واصطلاحی تعلیم وتعلّم اور پڑھنے پڑھانے کے تو وہ کام آسکتا ہو، لیکن اصطلاحی درس وتدریس سے ہٹ کر اس کا مصرف نہ ہو۔

اس لئے ہمیں مدرسہ سے باہر کے حالات کو دیکھنا ہوگا کہ اس وقت کون کون سے فتنے جنم لے رہے ہیں اور عوامُ الناس کے ایمان کو بگاڑ رہے ہیں۔ کون کون سے فرقِ باطلہ گمراہیاں پھیلا رہے ہیں، کیا کیا باطل عقائد ونظریات رائج ہو رہے ہیں، میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر دین کے خلاف کیا کچھ زہر اگلا جا رہا ہے، غرضیکہ دین کے جتنے بھی شعبے ہیں خواہ عقائد کا شعبہ ہو، یا عبادات کا شعبہ ہو، یا معاملات کا شعبہ ہو، یا معاشرت کا شعبہ ہو، یا اخلاق کا شعبہ ہو یا سیاست کا شعبہ ہو، دین کے تمام شعبوں کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اور یہ امر ملحوظ رکھنا ہوگا کہ ایسا نصاب تشکیل دیا جائے کہ اس نصاب کے دورانیہ سے گزر کر ایک طالبِ علم میں اتنی استعداد اور شعور پیدا ہو کہ ان شعبوں کے موجودہ تقاضوں اور فتنوں کو سمجھ سکے اور ان کا مقابلہ ودفاع کر سکے۔ مثال کے طور پر عقائد ونظریات کے شعبہ میں زندقہ والحاد پھیل رہا ہے، اہلِ سنت والجماعت سے خروج کیا جا رہا ہے، تو اصولی انداز میں ایسے قواعد نصاب کا حصہ بنائے جائیں جن سے مدلل انداز میں ان کی تردید ہو سکے۔ اور اگر ایسا نصاب پڑھا کر سند فراغت دے دی جائے گی اور دستار بندی کر دی جائے گی جب کہ یہ طالبِ علم اس نصاب کو پڑھ کر معاشرہ میں جا کر ان رائج فتنوں سے باخبر اور آگاہ ہی نہ ہوگا تو عالم دین کا مقصد اس نصاب سے کیسے حاصل ہو سکے گا؟ اگر آج عبادات کے شعبہ میں تحریف ہو رہی ہے تو ہمارے نصاب میں اس تحریف کی اصولی انداز میں نشاندہی اور مدلل انداز میں تردید ہونی چاہیئے۔

معاملات ومعاشیات کا میدان اس دور میں بہت متنوع ہو گیا ہے، اس تنوع کو پیش نظر رکھ کر، سود، رشوت، حرام خوری وغیرہ کی رائج شکلوں کا احاطہ کرنے والے اصول وقواعد کو نصاب کا حصہ بنانا چاہیئے تا کہ ایک

عالمِ دین ادارہ کی چہار دیواری سے باہر نکل کر لوگوں کو حلال وحرام سے آگاہ کر سکے اور محراب ومنبر پر پہنچ کر اس کی تبلیغ کر سکے۔ اس دور میں مغربی معاشرت رائج ہوگئی ہے اور بعض دوسرے مذاہب کی رسوم بھی معاشرہ میں موجود ہیں، ایک عالم دین کو اصولی انداز میں اسلامی اور غیر اسلامی معاشرت سے تعارف کرانا چاہئے۔ اسی طرح اخلاق کا صرف نام نام رہ گیا ہے، حالانکہ اس شعبہ کا ایک درجہ فرضِ عین ہے اگر ایک عالم دین بھی اس فرض عین درجہ سے واقف نہیں ہوگا تو وہ فرضِ کفایہ کے منصب کو کیا ادا کر پائے گا۔

اس کے علاوہ اس زمانہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف وتاریخ وغیرہ کے راستوں سے فتنے آرہے ہیں، ایک عالم دین کو اصولی درجہ میں ان فتنوں سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ ایک عالمِ دین مروَّجہ دستارِ فضیلت اور سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے اندر اس کی قابلیت نہیں پاتا کہ کسی فرقِ باطلہ کے ایک عامی شخص کے ساتھ بات کر سکے، اس کو سمجھا سکے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ فرقِ باطلہ کا ایک عامی شخص دوسرے کو قائل کرنے اور گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ہمارا ایک عالم دین یہ کام نہیں کر پاتا۔ اگر کہا جائے کہ ہم نے ان اغراض کے لئے مختلف قسم کے تخصصات تشکیل دیدیئے ہیں، جن کے ذریعہ سے یہ مقصد حاصل ہورہا اور یہ استعداد وقابلیت پیدا ہورہی ہے، تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ اولاً تو وہ صرف برائے نام ہیں، دوسرے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا درسِ نظامی کا وسیعُ المدت نصاب پڑھ لینے کے بعد بھی ان اہم امور کی تعلیم کے لئے الگ اور مستقل نصاب کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ کیا یہ بات غیر معقول نہیں ہے کہ اہم امور کو وسیعُ المدت نصاب سے گزرنے پر موقوف کر دیا جائے جبکہ ان امور کی ضرورت فرضِ کفایہ درجہ سے کم کی نہیں، اور ایسے ہی عالم کا وجود ہر علاقہ میں فرضِ کفایہ تھا جو اس قسم کے امور سے واقف ہو، آخر اگر اتنی اہم ضرورتیں بھی پوری نہ ہوں تو پھر کن اغراض کے لئے فرض کفایہ کے عنوان سے علماء کی کھیپ تیار ہورہی ہے؟

تعلیم وتعلم کوئی روایتی چیز تو ہے نہیں کہ بس رسم وروایت کے طور پر پڑھنے پڑھانے کے عمل کو اختیار کر لیا جائے یا پیشہ کے طور پر اس کو اختیار کر لیا جائے، اس کے مقصد اور حقیقت پر نظر رکھنی چاہئے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم روایتی ورسمی طور وطریقوں کے بجائے اور پکی پکائی کھانے کے بجائے خود سے کچھ کر کے کھائیں۔ اس غرض کے لئے ہمیں خود سے اس میدان میں کام کرنا ہوگا، دوسروں کے بھروسہ پر رہنے سے کام نہیں ہوتا ﴿بقیہ صفحہ ۷۰ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علم کے مینار

مولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ...... (قسط ۱۳)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے اہم تعلیمی ادارے

درس نظامی کے نصاب اور نہج پر اسلامی علوم کی تعلیم دینے والے اداروں میں ۱۸۵۷ء کے حادثہ فاجعہ اور سانحہ عظمٰی کے بعد برصغیر میں اسلام اور ملت اسلامیہ کو پیش آنے والے مایوس کن حالات میں دین اسلام کی بقا اور حفاظت کے لئے قائم ہونے والے دو بڑے ادارے دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ہیں جن کی ملی و مذہبی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے اوران مدارس کے دینی وعلمی فیوضات اور مذہبی وملی خدمات برصغیر سے گزر کر سارے عالم اسلام کو محیط ہوگئے۔ اسی طرح بیسویں صدی کے شروع میں نئے عزم وحوصلے کے ساتھ علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت کے لئے میدان میں آنے والا عظیم ادارہ ندوۃ العلماء لکھنؤ ہے اوران اداروں کے خدمات کی اپنی ایک تاریخ ہے جو عموماً منضبط شدہ اور مرتب ہے اس لئے اس مضمون میں ہم ان اداروں کے کام سے بحث نہیں کرتے۔ آئندہ کبھی اللہ کو منظور ہوا تو مستقلاً ان اداروں کے کام اور خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

مسلمانوں کے نظام تعلیم کی تاریخ مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر میں

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ۱۹۳۷ء میں کانگریس پارٹی کے برسر اقتدار آنے پر صوبہ یوپی کے وہ عربی فارسی مدارس جن کو گورنمنٹ کچھ نہ کچھ امداد دیتی تھی ان کے نصاب میں اصلاح وترمیم کے لئے ایک ''عربی نصاب کمیٹی''، تشکیل دی تھی جو ان کی اس معاملے میں ذاتی دلچسپی کا مظہر تھا بعد میں جب کانگریس وزارتوں سے مستعفی ہوگئی اوران کی حکومت ختم ہوگئی تو کمیٹی کا کام بھی ٹھپ ہوگیا دوبارہ ۱۹۴۷ء میں یہ کمیٹی فعال اور متحرک ہوئی جب کانگریس نے وزارتیں قبول کر کے حکومت سازی میں حصہ لیا یعنی ملک کی تقسیم سے کچھ ہی پہلے۔ اس کمیٹی کا ایک اجلاس مولانا کی کوٹھی پر بھی ہوا تھا اس کمیٹی کے کام کے نتیجہ میں ایک تفصیلی نصاب بھی مرتب ہوگیا تھا اور ۱۹۵۱ء کے لگ بھگ وہ طبع بھی ہوگیا لیکن افسوس کہ اس کا نہ نفاذ ہو

سکا نہ پوری طرح اشاعت ۔ تقسیم کے بعد مولانا حکومت ہند میں وزارت تعلیم کے باوقار اور اہم منصب پر فائز رہے، وزارتی مصروفیات کی وجہ سے بھی کمیٹی کے آخر تک کے تمام مراحل میں وہ ذاتی دلچسپی نہ لے سکے۔اس کمیٹی کا ایک اجلاس مولانا نے اپنے زیرِ صدارت ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ کونسل ہاؤس میں طلب کیا تھا جو دن دو بجے تا چار بجے منعقد ہوا اس نمائندہ اجلاس میں مولانا نے ایک بصیرت افروز پر مغز تقریر فرمائی۔اس کا اہم حصہ انتخاب کر کے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

’’قدرتی طور سے ہر علم تین مختلف دوروں سے، تین مختلف منزلوں سے گزرتا ہے پہلا دور جو اس کی پیدائش کا ہے جس کو عربی میں کہیں گے تدوین کا دور، تو علم کا بحیثیت علم مدون ہونا، وہ اینٹیں جو متفرق دماغوں میں پڑی تھیں ان اینٹوں کا ایک کے اوپر ایک رکھا جانا اور ایک دیوار بننا، اس کو کہتے ہیں تدوین ....دیوار چن دی گئی لیکن ابھی اس کے نقش و نگار بہت کچھ باقی ہیں تب دوسرا دور آتا ہے جس کو ترقی کی منزل کہنا چاہیے۔ تنقیح علوم کا پہلا دور تدوین کا تھا دوسرا دور تہذیب کا ہے اب اس کی کانٹ چھانٹ کرنا اس کو سنوارنا، اس کو بڑھانا اس کی نوک پلک کا بنانا، یہ تہذیب ہے............تو اب نہ صرف دیوار بن گئی بلکہ اس کے نقش و نگار بھی بن گئے نوک و پلک درست ہو گئے،تب تیسرا دور آتا ہے جس کو آپ بلوغ اور تکمیل کا دور کہتے ہیں یعنی پہلی چیز اب اپنے کمال تک پہنچ گئی اور اب اس میں کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی نوک و پلک درست کی جائے اب اس کی اشاعت اس کا پھیلانا اور بڑھانا ہے، درس و تدریس سے اس کو زیادہ استوار کرنا ہے............قدرتی طور پر یہ تین دور اسلامی علوم پر بھی گزرے............

اگر ان تین دوروں اور زمانوں کی جستجو کی جائے تو میں سمجھتا ہوں تیسری صدی ہجری (تک) کا زمانہ تدوین علوم کا زمانہ تھا۔تیسری صدی ہجری کے بعد سے پانچویں صدی ہجری تک کا زمانہ............تہذیب علوم کا زمانہ ہے۔ان دو صدیوں کے اندر جو علوم پچھلی تین صدیوں میں مدون ہو چکے تھے ان کی تہذیب، ان کی مزید نقش آرائی ہوئی............اس کے بعد کا زمانہ اسلامی علوم کے بلوغ و تکمیل کا اور ان کی اشاعت کا زمانہ تھا ۔ اگر دقت نظر کے ساتھ تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالی جائے تو میں سمجھتا ہوں (یہ تیسرا دور) ساتویں صدی ہجری تک پہنچتا ہے۔یعنی ساتویں صدی ہجری تک ہم کو ایسے ائمہ فن نظر آتے ہیں جن کا کام اگرچہ بنیادی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ علوم کی تہذیب کا تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے تہذیب کے کام تھے جن کو انہوں نے پورا کیا............ساتویں صدی کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اچانک

اسلامی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے......ایک نیا ورق الٹتا ہے اور یکا یک آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ پچھلی چند صدیاں جن علوم کی تدوین میں اور ان کی تدریس میں اور بلوغ و تکمیل میں صرف ہو چکی ہیں اچانک اب ایک نئے دور سے آشنا ہوتی ہیں............اس دور کو میں ذہنی تنزلی کا دور قرار دیتا ہوں (ملحوظ رہے ساتویں صدی ہجری میں فتنہ تاتار امت کا اکثر و بیشتر سرمایہ بہا کر لے گیا تھا علمی بھی، تمدنی بھی، بغداد سے ثمرقند تک اسلامی شہروں میں اسلامیوں کے چھ سو سال کی دماغ سوزیوں کا جو علمی و تحقیقی ذخیرہ کتب خانوں میں محفوظ تھا وہ دجلہ و فرات اور جیحوں و سیحوں میں دریا برد کر دیا گیا اور وہ بہترین دماغ جو اجتہادی صلاحیتوں کے حامل تھے تاتاریوں کے تیغ ستم سے پیوند زمین ہو گئے اس حادثے سے گزر کر امت کا سنبھلنا اور پچھلے بچے کھچے علمی ذخیرے کو سنبھالنا ہی بہت بڑا کام تھا۔ناقل) ساتویں صدی ہجری کے بعد اسلامی علوم پر ایک عالمگیر تنزل کا دور شروع ہو گیا سب سے پہلی چیز جو نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ علم کی ترقی کے لئے جو بنیادی چیز ہے جس کو عربی میں نظر و اجتہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے اچانک غائب ہو جاتی ہے۔اس کے بعد سے کسی علم و فن میں الا یہ کہ کسی گوشے میں کبھی کوئی نادر شخصیت پیدا ہو گئی (آٹھویں صدی اور اس کے بعد کے وہ نادر روزگار ائمہ فن اور مختلف علوم کے محققین و مصنفین جو علمی حلقوں میں آج مشہور و معروف ہیں اور جن کی کتب و تحقیقات سے استفادہ جاری ہے وہ یہی استثنائی نمونے ہیں) مگر عام رفتار تنزل کی شروع ہو چکی تھی چنانچہ آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے ائمہ فن جو (اس کے بعد) پیدا ہوئے ہیں وہ تلخیص میں مصروف رہتے ہیں یا شرح نویسی میں، لیکن کسی علم و فن میں نظر و اجتہاد کے ساتھ قدم اٹھے یہ چیز اب ختم ہو چکی تھی (یعنی عمومی پیمانے پر ورنہ مستثنیات کا تسلسل تو کبھی نہیں رکا)......اس تنزل کا نتیجہ جو کچھ نکلا اس نے علم و فن کے مختلف صیغوں پر کیا اثر ڈالا اس کی داستان بہت طویل ہے............سب سے بڑا بنیادی انقلاب جو پڑھنے پڑھانے کے طریقے میں ہم کو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت تک املا یعنی پچھلوں کے طریقہ تعلیم کا ایک خاص ڈھنگ تھا وہ طریقہ تعلیم آہستہ آہستہ بدلنے لگا............وہ طریقہ تھا املا کا، املا عربی کی خاص اصطلاح ہے............املاء کے معنی ٹھیک وہی ہیں جیسے آپ کسی کالج میں چلے جائیں وہاں پروفیسر جس طریقہ پر تقریر کرتا ہے، لیکچر دیتا ہے ٹھیک اسی معنی میں املا ہے، ایک صاحب علم کوئی خاص کتاب اپنے سامنے نہیں رکھتا تھا وہ بیٹھتا تھا اور طالب علم اس کے سامنے بیٹھتے تھے، طالب علم کاغذ رکھ لیتے تھے اور جو موضوع اس کے پیش نظر ہوتا تھا مثلاً اس نے علم ادب، تفسیر، حدیث لے لیا اس

کے اوپر وہ زبانی تقریر کرتا تھا اور جو طلاب اس کے حلقہ درس میں بیٹھے ہوتے تھے وہ سنتے تھے اور اس کے نوٹس لیتے تھے اور یہ نوٹس جمع کر لیتے تھے............مثلاً قاری کی کتاب، شریف مرتضی کی کتاب (اسی طرح فقہ میں امام ابو یوسف کی کتاب الآمالی) یہ وہی نوٹس ہیں جو درس کے وقت مستعد طالب علموں نے لئے ہیں............ساتویں صدی ہجری کے بعد املا کا طریقہ اسلامی مدرسوں میں بالکل ناپید ہو (تا چلا) جاتا ہے..........بدقسمتی سے املا کی جگہ کتابیں لے لیتی ہیں...................دوسری صدی ہجری سے کتابیں مرتب ہو چکی تھیں (ان سے استفادہ ضرور کیا جاتا ہوگا) لیکن اعتماد جو کچھ تھا املا پر تھا (کتاب پر انحصار نہ تھا، گو ثانوی حیثیت میں اس فن کی کبھی کوئی کتاب کبھی کوئی کتاب استاد یا شاگرد کے بوقت درس بھی پیش نظر ہو لیکن ہدف اور مقصد چونکہ فن کا سمجھنا سمجھانا تھا نہ کہ کسی خاص کتاب کی ورق گردانی کرانا یا عبارت حل کرانا، اس لئے اس فن کے کسی ایک مصنف کے خیالات اور اس کی کتاب کے اسلوب میں اپنے آپ کو یا فن کو جکڑ کر دماغ کو یا علم کو مقفل ومحبوس نہیں کر لیتے تھے۔ناقل)...... جب کتابوں کا راستہ کھل گیا تو اب تمام تر دارومدار ہو گیا کتاب پر۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۲ سے ۱۴ برس تک آپ اپنا دماغ صرف کرتے ہیں مگر نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مجھے معاف کیا جائے یہ کہنے کی میں جرآت کروں کہ چند کتابوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور علوم حاصل نہیں ہوتے........... چند کتابوں کا علم حاصل کرنے اور نفس علم حاصل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے..........مثلاً آپ علم تفسیر کا درس لے رہے ہیں اور آپ کا دارومدار بیضاوی اور جلالین پر ہے۔کیا ہوگا کہ بیضاوی اور جلالین کی لفظی عبارت، اس کے مرجع اور ضمائر کا علم حاصل ہو جائے گا نہ کہ علم تفسیر کا بلکہ اس کی پرچھائیں تک نظر نہ آئیں گی..........ایک بڑی غلط چیز جو پیدا ہوگئی وہ ہے متون اور شروح کا حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا، متن وشرح لکھنے کا طریقہ فی نفسہ صحیح تھا یہ چیز ہر علم و فن میں اور ہر زبان میں اچھی ہوتی ہے لیکن یہ چیز جب حد سے زیادہ بڑھ جائے گی تب ظاہر ہے اس سے نفس علم کو سخت نقصان پہنچتا ہے، بجائے اس کے کہ آپ کسی علم میں کوئی کتاب جچی تلی زبان میں فصاحت کے ساتھ مرتب کریں اور وہ ایک طالب علم کے آگے رکھیں تاکہ اس کو موقعہ ملے کہ وہ پورے طور پر اس کتاب پر چھا جائے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک چیز لکھی جس کا نام متن رکھا اور گن گن کر اتنے الفاظ رکھ دیئے کہ کم سے کم الفاظ ہوں اور وہ ایک معمہ اور چیستان بن سکے پھر شرح میں مباحث آگئے (شرح میں بہت دور دور کی کوڑیاں لائی گئیں، احتمالات، تاویلات، مفروضات کا ایک پینڈورا بکس اس

شرح نامی عجوبے میں کھل گیا اصل وہ علم وفن جوزیر بحث تھا وہ تو رہا ایک طرف اور دنیا جہاں کے جھگڑے اور ایران توران کے قصے چھڑ گئے۔منطق میں سلم اور نحو میں ابن حاجب کی کافیہ اوران کی بیسیوں شروحات اور حواشی جوخود مستقل کتابی حیثیت سے نصاب میں داخل وشامل رہی ہیں یہ اس بات پر شاہد عدل اور نمونہ ہیں،نمونہ بھی''مشتے ازخروارے''ناقل)..........اس میں شک نہیں کہ ایک طالب علم کے لئے تو یہ بہت ضروری ہے کہ وہ کسی کتاب کو پڑھنے اوراس کی عبارت کو سمجھنے میں اور مباحث کو قابو میں لانے کیلئے اپنے اندر صلاحیت پیدا کرسکےلیکن اس کے لئے آپ بہت سے طریقے اختیار کرسکتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے کہ تمام علوم وفنون کی جوآپ تعلیم دیں ان کی تمام کتابوں کوآپ اسی طریقہ سے غارت کریں اور دماغی قوت کا بڑا حصہ اصلی علم کو حاصل نہ کرسکے(بلکہ ادب وبلاغت وغیرہ کی کوئی ایک معیاری کتاب منتخب کرکے بقدرضرورت اس میں صرفی،نحوی،لغوی،ادبی اجراء اور عبارت کو سمجھنے کی مشق کرادیجائے باقی جو کتاب جس فن کی ہے صرف اس فن کی تعلیم کے لئے پڑھائی جائے یہ تو نہ ہو کہ فن تو نحو کا چل رہاہے اوراس میں یونانیوں کے سارے خرافات اور قیل وقال کا طومار لے کر معصوم طالب علم کے دماغ پر حملہ آور ہوا جائے۔ناقل)

..........دماغ کوصرف کیا جاتا ہے کس چیز پر؟ جوایک خاص نام کی کتاب ہے اس کا ایک خاص نام کا مصنف ہے اس نے ایک متن لکھا ہے اس کی جوایک خاص سطر ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ خیال کیجئے اس کے اصلی موضوع سے(جو کہ ایک خاص علم یافن ہے)آپ اس کے دماغ کو بھٹکا کر کہاں سے کہاں لے گئے؟ یہ سب کچھ آپ اس لئے کررہے ہیں کہ عبارت کے حل کرنے کی اس کو مشق ہومگر یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے آپ اس کے دماغ کو غارت کرتے ہیں۔مصیبت یہ ہے کہ ہر علم کے لئے گرائمر بہت زیادہ ضروری ہے اور بیک وقت آپ دو بوجھ اس پر لادتے ہیں اور ہندوستان میں تین بوجھ،پہلا بوجھ اصل علم کا،دوسرا حل عبارت کا،اس کی ساری قوت(صلاحیت)عبارت کے حل کرنے میں صرف ہوجاتی ہے۔پھر آپ شکایت کرتے ہیں کہ لوگ کوڑھ مغز ہیں لیکن جوطریقہ ہم نے اختیار کیا ہے وہ ان کوکوڑھ مغز بنانے پر مجبور کرتا ہے..........اور تیسرا بوجھ یہ کہ اس زبان کوسیکھے جواس کی مادری زبان نہیں ہے(مثلاً اس وقت تک فارسی زبان تعلیم وتعلم کی زبان تھی جو کہ ایک ایسے بچے کے لئے جس کی مادری زبان اردووغیرہ ہے اجنبی زبان تھی)

............اب آپ غور کیجئے ایک ہی وقت میں اس کا دماغ آپ کتنی قوتوں میں ضائع کررہے ہیں اس کی ساری دماغی قوت تین خانوں میں بٹ رہی ہے............اگر آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ اس کا دماغ ایک ہی چیز میں صرف ہوتا یعنی صرف ونحو حاصل کرتا (اپنی مادری زبان میں) تو کیا وہ عربی زبان کے صرف ونحو کو زیادہ مضبوطی کیساتھ اپنے دماغ میں جگہ نہ دیتا؟............اگر ہم اصلاح چاہتے ہیں تو بہر حال ہمیں تسلیم کرنا ہے کہ ہندوستان میں عربی علم اور تعلیم میں جس فن کی تعلیم بھی شروع کی جائے، اس کی پہلی رونمائی مادری زبان میں ہونا چاہئے'' (خطبات آزاد خطبہ عربی نصاب کمیٹی)

(جاری ہے......)

﴿بقیہ متعلقہ ۵۴ ''مکتوباتِ مسیح الامت''﴾

عرض......اذان ہوتے وقت تکرار کرنا یا مطالعہ میں مشغول ہونا اور اذان کا جواب نہ دینا صحیح ہے یا نہیں، نیز اگر کوئی تکرار کر رہا ہے اور کوئی سلام کرتا ہے تو جواب دینا چاہئے جبکہ کسی اور نے جواب نہیں دیا۔

ارشاد......مفتی صاحب سے معلوم کریں۔ [1]

---

[1] جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت والا بعض مسائل کے جوابات تبرُّعاً تحریر فرما دیا کرتے تھے، ورنہ حضرت کے اصل منصب میں مسائل کے جوابات تحریر فرمانا داخل نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت والا سے جب آخری عمر میں لوگ مسائل معلوم کرنے کے لئے غیر معمولی انداز میں رجوع فرمانے لگے تو حضرت والا مفتی صاحب کی طرف رجوع کی تلقین فرما کر بعض اوقات مزاحاً یہ بھی ارشاد فرما دیا کرتے تھے کہ ''اب میں قیمتی ہو چکا ہوں، مفتی صاحب سے رجوع کریں''

اور ویسے بھی مسائل اور اصلاحی اُمور کو بیک وقت ایک عریضہ میں جمع کرنا مناسب نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ مصلحتِ وقت کی خاطر حضرت نے ابتداءً مفتی صاحب سے رجوع کرنے کی تلقین نہ فرمائی ہو اور جب آپ کو اس چیز میں مصلحت محسوس ہوئی ہو کہ اب مفتی صاحب کی طرف رجوع کرا دینا مناسب ہے، تو آپ نے یہ ہدایت ارشاد فرمائی۔

تذکرۂ اولیاء

مولانا محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط ۹)

فتنہ تا تار اور تصوف کے سلسلوں کا فروغ

پیچھے جو تفصیلات ذکر ہوئیں ان سے یہ معلوم ہوگیا کہ خیر القرون کے زمانہ میں تصوف کی کیا نوعیت تھی؟ اور اس کے بعد پانچویں صدی ہجری تک کے نامور مشائخ تصوف اور کتب تصوف کا بھی اجمالی تذکرہ ہوگیا۔ اب آگے چھٹی صدی ہجری سے تصوف کے خالص اسلامی، اصلاحی ادارے کا جو ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد کے زمانے میں تصوف کے جو دسیوں سلسلے معروف ومقبول ہوئے جن میں سلاسل اربعہ (یعنی چار مشہور سلسلے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ) بھی شامل ہیں۔ ان سلسلوں کے بانی حضرات مشائخ کو فیض اپنے شیوخ اور اساتذہ سے ہی حاصل ہوا جو ان سے مقدم تھے اور ان کو اپنے سے پہلے شیوخ واساتذہ سے فیض حاصل ہوا یہاں تک کہ یہ سلسلہ فیض اور روحانیت کی لڑی مسلسل طریقہ سے بغیر کسی انقطاع کے درجہ بدرجہ اوپر جا کر حضرات تابعین عظام، پھر صحابہ کرام اور پھر حضور نبی کریم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ مختصراً پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے یعنی چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ تابعین میں حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ تک اور پھر ان کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں اور چوتھا سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ (آگے ان چاروں سلسلوں کے مشائخ کی پوری لڑی نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر موجودہ اھل حق مشائخ تک ہم مزید تفصیل کے ساتھ بھی ذکر کریں گے۔) ہاں اتنا ضرور ہے کہ بانیان سلاسل جن سے یہ مختلف سلسلے منسوب وموسوم ہوئے ان کی تجدیدی شان اور روحانی قابلیتوں وصلاحیتوں سے تغیر پذیر زمانے اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق ان سلسلوں کو نئی زندگی ملی اور لوگوں کی قابلیتوں اور استعدادوں میں جو تبدیلی یا کمزوری آئی اس کا لحاظ کرتے ہوئے اصلاح کے طریقوں اور روحانی تربیت کے نصاب میں حالات کے مطابق انہوں نے مناسب ترمیمیں کیں اور ان کے زمانے تک جاہل، نااہل اور نام نہاد درویشوں وگدی نشینوں

نے جو کچھ خرافات و بدعات تصوف میں داخل کر کے اس خالص اصلاحی شعبے کو غتر بود کر دیا تھا ان کو ایک ایک کر کے چھانٹ ڈالا اور تزکیہ باطن کے اس مقدس و پاکیزہ ادارے کو شریعت مطہرہ کے چشمہ صافی سے ہم آغوش کر دیا۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے کجا داند جام و سندان باختن

ایک اور اہم سبب جو چھٹی صدی ہجری کے بعد کے زمانے میں تصوف کی اس تشکیل جدید اور نئی شیرازہ بندی کی تقویت کا باعث بنا ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام کو پیش آنے والا تا تاری یلغار کا خونچکاں سانحہ ہے، امت مسلمہ کو لگ بھگ اپنے ساڑھے چودہ سو سالہ عہد میں اس دنیائے فانی میں جو عظیم ترین حوادث و مصائب پیش آئے ان میں فتنہ تا تار اپنی ہلاکت خیزیوں اور حشر سامانیوں کی وسعت اور عالمگیریت کی وجہ سے سب سے نمایاں ہے۔ [1]

تا تاری درندوں نے لگ بھگ نصف صدی تک مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی اور پوری مشرقی دنیا میں عالی شان اسلامی سلطنتوں، ریاستوں، حکومتوں، معاشروں، علمی اداروں کو بے نام ونشان کیا امت کے بہترین دماغوں اور رجال کار کو خاک وخون میں تڑپایا اور چھ سو سال میں تشکیل پذیر ہونے والی عظیم آفاقی اسلامی تہذیب وتمدن کو ملیا میٹ اور شہروں وبستیوں کو تہہ و بالا کیا ہے اس کا پورا پورا نقشہ کھینچنے سے مورخین کے قلم بھی عاجز رہے، بعض مورخین کی صراحت کے مطابق تاریخ کی یہ امانت فرض منصبی سے مجبور ہو کر روتے دل، خونبار آنکھوں اور لڑکھڑاتے قلم کے ساتھ انہوں نے سپرد قلم کی ہے (کما قال ابن اثیر فی تاریخہ) کئی کروڑ سے انسان تا تاری سیلاب بلا کی نذر ہوئے اور صحرائے گوبی کے اُس پار سے اٹھنے

---

[1] یا پھر مغرب کے استعماری واستبدادی تسلط (بارہویں صدی ہجری واٹھارویں صدی عیسوی سے لے کر تا حال) کا سانحہ عظمی ہے جو اپنی وسعت و عالمگیریت میں فتنہ تا تار سے بھی آگے ہے، اس کے شر و فساد کے مظاہر مادی دنیا اور عالم محسوسات سے آگے بڑھ کر روحانی اور معنوی دنیا کو بھی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ قالب سے گزر کر قلب پر یہ حملہ آور ہے۔ مغربیت وجدیدیت اور صنعتی ترقی کے اس طاغوت نے امت مسلمہ کا، تیسری دنیا کے انسانوں کا اور دنیا بھر کی قوموں کا پچھلی دو صدیوں میں جتنا خون بہایا ہے جتنا خون چوسا ہے وہ فتنہ تا تار کی خون ریزی سے باید وشائد ہی کم ہو لیکن اس پر مستزاد اس کے شر و فساد کے وہ عالمگیر مظاہر ہیں جو اس نے انسانیت کو حیوانیت اور بہیمیت کے راستوں پر ڈال کر پیش کئے ہیں یہ طاغوت آدم کی ساری اولاد کو عموماً اور امت مسلمہ کو خصوصاً طغیان وضلالت کے ایسے راستوں پر لے آیا ہے جو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی پوری ہلاکت و بربادی کی بے نشان منزل تک پہنچانے والے ہیں۔ ایسا لگتا ہے یہ عالمگیر طاغوتی نظام مستقبل میں برپا ہونے والے دجالی نظام کا پیش خیمہ اور یہ طاغوت اس کا ہراول دستہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ہی شر سے خیر نکالنے والے اور کفر کے اندھیاروں میں نور حق جگمگانے والے اور مایوسی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے امید کی صبح فروزاں ظاہر کرنے والے ہیں۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء۔

والے ان وحشیوں اور درندوں کی طوفان بے تمیزی میں غرقاب ہوئے۔رہے نام اللہ کا۔

یہ تاتاری فتنہ خداوند قدوس کے عذاب کا تازیانہ تھا یا کیا؟ کہ تاتاریوں کی ابھی ایک نسل ہی گزرنے کی دیر تھی کہ دوسری نسل پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کے دامن میں آ کر گرنی شروع ہوگئی اور پھر اس سے اگلی نسل تو قریب قریب پوری ہی اسلام کے آغوش میں آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتی چلی گئی۔اس طرح وہ سلطنتیں اور علاقے جوان وحشی منگولوں نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا کر ہتھیائے تھے خداوند قدوس کی حکمت بالغہ سے تھوڑے عرصہ میں کسی کشت وخون کے بغیر تاتاریوں کے اسلام لانے کی صورت میں واپس اسلام کی جھولی میں آ گرے۔اوران فاتح عالم حاکموں نے اپنے ان مفتوح محکوموں کے دین کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جن کے سروں کی فصل کوانہوں نے کل گاجر مولی کی طرح کاٹ کران سروں سے مینار کھڑے کر کے اپنی لذت درندگی کو تسکین پہنچائی تھی۔اللہ اکبر۔ ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے فسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

یوں ساتویں صدی ہجری میں خداوند قدوس کے اس شاہی فرمان کا وسیع پیمانے پر مظاہرہ ہوا۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ. وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ(۱۵) اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ(۱۶) وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (سورہ فاطر ۱۷)

ترجمہ: ''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریفوں کے لائق ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور کوئی نئی قوم لے آئے اور یہ اللہ کے لئے کوئی دشوار نہیں''

فتنہ تاتار کے نتیجہ میں مسلمان ہار گئے، اسلام جیت گیا۔آج کے طاغوت کے مقابلے میں بھی عالم اسلام چاروں شانے چت ہے جبکہ اسلام آج کے طاغوت کے دروازں پر دستک دے رہا ہے اور بہت سوں کے گھروں میں ڈیرے بھی ڈال چکا ہے۔فتنہ تاتار گواہ ہے کہ امت مسلمہ عمومی طور پر نافرمانی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت و بقا اور اشاعت کے لئے ان کی کوئی احتیاج نہیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔جو قوم اللہ سے منہ موڑتی ہے زمین وآسمان اوران کے درمیان کی ساری مخلوقات اس سے منہ موڑ لیتی ہیں پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دشمنوں اور منکروں کو ان بے وفا دوستوں پر مسلط کر دیتے ہیں جو دوستی اور غلامی کا عہد و پیمان کر کے برسر عام، علی الاعلان، ڈنکے کی چوٹ پر اسے توڑ دیتے ہیں،

مسلمان نے امت مسلمہ کے ایک ایک فرد نے، ہر مرد و عورت، جوان اور بوڑھے نے کلمہ پڑھ کر دین الٰہی شریعت محمدی کا دم بھر کر اللہ تعالیٰ سے غلامی اور عبدیت کا عہد کر رکھا ہے۔ جب یہ احکام شرع کو پامال کر کے عہد شکنی کرتا ہے اور یہ عہد شکنی عام ہو جاتی ہے تو پھر خداوند قدوس کو، بادشاہوں کے بادشاہ کو غیرت آتی ہے پھر وہ ذات ان بے وفا دوستوں کو اپنے ہاتھ سے سزا دینا بھی پسند نہیں فرماتے بلکہ اپنے دشمنوں کو ان بے وفا دوستوں پر مسلط فرما دیتے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بہت ہی رسوا کن شکل ہے۔ آسمان سے پتھر برسنے اور زلزلے برپا ہونے سے بھی زیادہ بری ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے عذاب دینے کی شکل ہے اور یہ اپنے ہاتھ سے عذاب دینے کو بھی گوارا نہ کرتے ہوئے دشمنوں اور اپنے مبغوض لوگوں سے پٹوانے کی شکل ہے۔ جیسے کوئی آقا اپنے ایسے غلام کو جس پر اس نے بے پایاں احسانات کئے ہوں اور پورا اعتماد اس پر رکھا ہو پھر وہ آقا کی امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھیرتے ہوئے بے وفائی کرے، غداری کرے، حکم عدولی کرے، آقا کے عہد و میثاق کی دھجیاں اڑا دے تو آقا اپنے ہاتھ سے سزا دینے کے قابل بھی اسے نہ سمجھتے ہوئے اپنے پالتو کتے کو اس پر مسلط کرے اور وہ کتا بھوکا بھی ہو جو آن کی آن میں اس نا ہنجار غلام کی تکہ بوٹی الگ کر دے اور ہڈی پسلی ایک کر دے، چمڑی ادھیڑ دے اور کھال اتار لے۔ اور آخرت کا عذاب سوا لگ۔ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

اے عقل و خرد کے وارث لوگو! روشن خیالو! اور نام نہاد اعتدال پسندو! فتنہ تاتار کے تاریخ سوز آئینے میں ذرا آج کے طاغوت اور عالم کفر کے طنطنے اور حشر سامانیوں کو اور اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کی، عالم اسلام کی زبوں حالی، بے چارگی، اور رسوائی و مظلومیت کو دیکھو! پھر اپنے کردار و گفتار، چال چلن، طرز عمل، پالیسیوں اور کاسہ لیسیوں کا بھی جائزہ لو کہیں تاریخ اپنے آپ کو دہرا تو نہیں رہی۔۔ ہاں ضمیر میں احساس زیاں کی کوئی ایک آدھ چنگاری صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے شرط ہے۔ ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تاتاریوں کو اسلام سے روشناس کرنے اور پھر حلقہ بگوش اسلام بنانے میں در پردہ اسلام کے جن خاموش سپوتوں کی دلسوزیاں، قربانیاں اور کوششیں شامل ہیں ان میں وقت کے بعض اھل دل صوفی و درویش بھی تھے۔ [۱]

فتنہ تاتار کے نتیجے میں مسلمانوں کا سب کچھ لٹ گیا تھا۔ اس نازک و پر آشوب دور میں خانماں برباد

---

[۱] سلطان کاشغر تغلق تیمور کا بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین سے (جو کاشغر آئے) شکار کے دوران آمنا سامنا ہونا اور اس کا شیخ سے نہایت اہانت سے پیش آنا اور کتے سے ان کو بدتر کہنا اور شیخ کا عجیب متاثر کن جواب دینا اور اس جواب کا بادشاہ کے دل کو لگنا اور پھر ایک عرصے بعد اس دبی ہوئی چنگاری کے نتیجے میں شیخ کے بیٹے کی جدو جہد سے اس کے ہاتھ پر مسلمان ہونا کہ شیخ جمال نے مرتے وقت بیٹے کو وصیت کی تھی کہ بادشاہ کے پاس جا کر اسے اسلام قبول کرنے کی تلقین کرے (ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت)

مسلمانوں کو جو کل تک تاج وتخت کے مالک اور چھ سو سالہ عظیم اسلامی تمدن کے وارث وامین تھے اور آج اپنے ہی وطن اور علاقوں میں اجنبی اور بے آسرا بن چکے تھے اور تاتاریوں کے رحم وکرم پر تھے۔، ان کو سنبھالنا، اور ان میں نئی اسلامی روح پیدا کرنا، ایمانی سیرت ان میں بھرنا، ان کے مردہ حوصلوں کو ولولہ تازہ عطا کرنا، ان کے مجروح دلوں، مضطرب روح اور زخمی احساس پر امید و یقین کا مرہم رکھنا، قوت عشق سے ان کے پست کو بالا کرنا،۔ بقول اقبال مرحوم: ؎

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے　　　　دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کردے

یہ اتنا بڑا کام تھا، وسیع اور ہمہ جہت مشن تھا جس کے لئے بڑے دل گردے کی، بڑے حوصلے کی، دلسوزی کی اور تاثیر عشق کی ضرورت تھی۔ اور یہ دولت حضرات صوفیاء کرام کے پاس تھی اور اس خاموش خدمت کا گر وہی جانتے تھے کہ اوپر سے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اندر ہی اندر افراد کی، معاشرے کی، بلکہ سلطنت وریاست کی کایا پلٹ جائے اور یوں ہو جائے کہ بقول شخصے ؎

رہا کھٹکا نہ بیڑے کو موج بلا کا　　　　ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

اور حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے راستے سے مشائخ کو جو درد دل، تاثیر عشق اور روح کی بالیدگی پیدا کرنا مقصود ہوتی ہے، یہ ماحول اس کے لئے انتہائی سازگار تھا۔ مشرقی دنیا کی ساری فضا سوگوار تھی، سارا ماحول غمزدہ تھا۔ ایک ایک مسلمان دکھیا تھا۔ یہ عام ماحول جو پیدا ہو گیا تھا مشائخ تو بڑی رگڑائیوں اور مجاہدوں سے گزار کر سالک کو اس منزل تک پہنچاتے ہیں۔ تب پھر اس کے دل پر محبت ومعرفت کا نقش باندھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے اضطراری طور پر تاتاریوں کے مظالم سے یہ ماحول پیدا کر دیا تھا۔

اس لئے لوہا گرم تھا ضرب لگانے کی دیر تھی ضرب لگانے والے آگے بڑھے اور مسِ خام کو کندن بناتے چلے گئے اور یہ کندن جس بھٹی کی آنچ سے بنا تھا وہ تصوف کی بھٹی تھی مشائخ عظام کی دلسوزیوں کی آگ تھی اس لئے زمانہ پر ان بھٹیوں کی چھاپ پڑ گئی۔ ان کا فیضان عام ہو گیا، ان کا آوازہ مشرق سے مغرب تک بلند ہو گیا۔ ان کی خانقاہیں پر رونق ہو گئیں۔ ان کے فیض یافتگان آتش بجاں بن گئے۔ حرارت ایمانی شعلہ جوالہ بن گئی۔ سینہ سے سینہ سلگتا گیا۔ دیئے سے دیا جلتا گیا۔

یہ آگ پھر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی اور وحشی فاتحین اور حاکموں کی دہلیز بھی پار کر گئی۔ جو تلوار کے ہنر کے سوا کوئی ہنر ہی نہ جانتے تھے محبت فاتح عالم نے ان فاتحین عالم کو گھائل ومائل کر دیا۔

جب مسلمانوں میں ایمان کی نئی بہار آنے لگی تو چھنی ہوئی سلطنتیں بھی واپس ملتی چلی گئیں کہ سلطنتوں والے ہی قشقہ وزنار سے بیزار ہو گئے اور اسلام وایمان سے ہم آغوش وہم کنار ہو گئے۔ اور مزید انعام میں خداوند قدوس نے ان بزرگوں کی قربانیوں اور اسلام کے لئے جانفشانیوں کی لاج رکھتے ہوئے ہندوستان جیسی وسیع وعریض نئی سلطنت بھی عطا فرما دی کہ شاہی ودرویشی نے یکجا ہو کر کفر وشرک سے اٹی پٹی یہ سلطنت خون پسینہ ایک کر کے کمائی۔ پہلے پہلے علی ہجویری اور معین الدین چشتی رحمھم اللہ کی شکل میں درویشی آئی اور یہاں ایمان کا جوت جگایا پھر درویشی کے قدم بقدم سلطانی آئی شھاب الدین غوری فوجیں لے کے آیا۔ اور دلی واجمیر کو اسلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ پھر صوفیاء کے جتھے آئے۔ مبلغین وداعیین کے قافلے آئے اور ظلمت کدہ ہند کے چپے چپے میں پھیل گئے اور ایمان کا نور بانٹتے چلے گئے۔ (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۵۸ ''ادارہ کے نصاب کی بنیاد کن خطوط پر ہونی چاہئے''﴾

اور یہ تمام کام بحمد اللہ تعالیٰ مختلف رسائل اور تصنیفات وتالیفات کی شکل میں ہو چکا ہے۔ بس منتشر جواہر پاروں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اردو زبان ہی میں اتنا مواد موجود ہے کہ ہمیں عربی کتب کی طرف مراجعت کی ضرورت بہت کم پیش آئے گی، ان کتب سے استفادہ کیا جائے اور مختلف موضوعات پر لکھی جانے والی تصنیفات وتالیفات سے استفادہ کر کے مواد اصولی انداز میں جمع کیا جائے اور نصاب کا حصہ بنایا جائے، مجھے امید ہے کہ آپ سب حضرات ہمت اور حوصلہ اور ولولہ کے ساتھ سنجیدہ اور غیر جذباتی انداز میں قدم آگے بڑھائیں گے اور جو کام ہمارے ادارہ میں جاری اس نصاب میں باقی ہے، اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کو صرف اور خرچ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما کر قبول ومنظور فرمائیں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

علماء، مشائخ، ماہرینِ علومِ دینیہ اور اربابِ فقہ وفتاویٰ کے لئے خصوصی پیش کش

دینی مدارس، علمی مراکز، اور دینی وتحقیقی اداروں کے لئے مفید سلسلہ

ادارہ غفران ٹرسٹ راولپنڈی کے ترجمان ماہنامہ ''التبلیغ'' کا

علمی وتحقیقی سلسلہ (فی شمارہ 15 روپے)

سلسلہ نمبر 7 ''مروّجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' شائع ہو گیا ہے۔

﴿خواہش مند حضرات ناظم ماہنامہ ''التبلیغ'' سے رجوع فرمائیں﴾

پیارے بچّو! مفتی ابوریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

بڑی عیداور قربانی

پیارے بچو! تم سب نے عیدُ الفطر جسے چھوٹی عید بھی کہا جاتا ہے گزار لی ہے، مگر عیدُ الاضحیٰ جسے بڑی عید کہا جاتا ہے وہ ابھی آنے والی ہے، عید عربی کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ خوشی کے ہیں اور فطر کے معنیٰ روزہ کھولنے کے ہیں، اور اضحیٰ کے معنیٰ ذبح کرنے کے ہیں، چھوٹی عید پر رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھنے کے بعد روزہ رکھنے کی پابندی ختم ہو جاتی ہے، اور روزہ کی پابندی کُھل جاتی ہے، اس لئے اسے عیدُ الفطر کہتے ہیں، تو عیدُ الفطر کے معنیٰ ہوئے روزہ کھلنے کی عید اور بڑی عید پر قربانی ہوتی ہے اس لئے اسے عیدُ الاضحیٰ کہتے ہیں اور بڑی عید کو بقرعید بھی کہتے ہیں، بقر گائے اور بھینس کو کہتے ہیں، کیونکہ بڑی عید پر گائے، بھینس، وغیرہ جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، تو عیدُ الاضحیٰ کے معنیٰ ہوئے قربانی والی عید، اور بقرعید کے معنیٰ ہوئے جانور ذبح ہونے والی عید۔

بڑی عید چھوٹی عید کے تقریباً دو مہینے اور آٹھ دن کے بعد آتی ہے، چھوٹی عید تو شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ میں آتی ہے اور بڑی عید شوال کا مہینہ گزر کر اور اس کے بعد ذیقعدہ کا پورا مہینہ ختم ہونے کے بعد ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے کے بعد اس مہینہ کی دس تاریخ کو آتی ہے۔

عیدُ الفطر کو چھوٹی عید اور عیدُ الاضحیٰ کو بڑی عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ چھوٹی عید کا صرف ایک دن ہوتا ہے اور بڑی عید کے تین دن ہوتے ہیں، اسی لئے بڑی عید کے تین دن تک قربانی کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور جس عید کے تین دن ہوں ظاہر ہے کہ وہ اس عید سے بڑی ہوئی جس کا صرف ایک دن ہو، اس کے علاوہ چھوٹی عید کے موقعہ پر صرف عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، لیکن بڑی عید کے موقعہ پر عید کی نماز کے علاوہ قربانی بھی ہوتی ہے اور جس عید پر دو کام ہوں وہ اس عید سے بڑی ہوگی جس میں صرف ایک کام ہو، پھر چھوٹی عید کے صرف ایک دن روزہ رکھنا منع ہوتا ہے اور بڑی عید کے موقعہ پر چار دن تک روزہ رکھنا منع ہوتا ہے یعنی دس تاریخ سے لے کر تیرہ تاریخ تک، ان سب باتوں کی وجہ سے بقرعید کی عید کو بڑی عید کہا جاتا ہے۔

Idara Ghufran

پیارے بچو! بڑی عید ہو یا چھوٹی عید ہو دونوں عیدیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خوشی منانے کے دن ہوتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے مذہبی تہوار ہیں۔

عید کے دنوں میں سب مسلمان اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، اور اپنے مہمان کے لئے اچھے کپڑے پہننا اور خوشی منانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جس طرح دنیا میں جب کوئی کسی کے یہاں مہمان بن کر جاتا ہے، تو صاف سُتھرا ہو کر اور اچھے کپڑے پہن کر جاتا ہے، اس لئے سب مسلمانوں کو چاہئے کہ عید کے دنوں میں وہ اچھے کپڑے جو اپنے پاس ہوں وہ پہنیں، نہا دھو کر صاف سُتھرے ہوں اور خوشی منائیں، اور بڑی عید کے موقعہ پر اگر اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہے تو جانور کی قربانی ضرور کریں۔

بڑی عید کے موقعہ پر جانور کی قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، ویسے تو سال بھر کے سب دنوں میں ہی جانور ذبح ہوتے رہتے ہیں اور مسلمان ذبح ہوئے جانوروں کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں، لیکن بڑی عید کے موقعہ پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ سال بھر کے عام دنوں میں ذبح ہونے والے جانوروں کی طرح کے نہیں ہوتے بلکہ بڑی عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرنے کو قربانی کہا جاتا ہے اور سال بھر ذبح ہونے والے جانوروں کو قربانی نہیں کہا جاتا۔

قربانی بڑی عید کے تین دنوں کے ساتھ خاص ہے یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے ساتھ، ان تین دنوں کے علاوہ جو جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے انہیں قربانی نہیں کہا جاسکتا، یہاں تک کہ اگر کسی نے بڑی عید کے دنوں میں قربانی کرنے کے لئے جانور خرید لیا لیکن عید کے تین دنوں میں اس جانور کی قربانی نہیں کی جاسکی تو پھر اس جانور کی قربانی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ قربانی کے دن ختم ہوگئے۔

بچو! قربانی کے جانور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور پیارے جانور ہوتے ہیں، اور یہ جانور انسانوں کے پاس چند دن کے مہمان ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان پیارے جانوروں اور مہمانوں کو اچھی طرح سے رکھنا چاہئے، اور ان کی خوب خاطر، تواضع کرنی چاہئے، ان جانوروں کو مارنا پیٹنا اور ان جانوروں کو کسی طرح سے تکلیف پہنچانا بہت بری بات ہے، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا چاہئے اور موسم کے مطابق ان کو گرم یا ٹھنڈی جگہ رکھنا چاہئے، ان کے اوپر چڑھ کر بیٹھنا یا ان پر سواری کرنا یا ان کی رسی پکڑ کر اس طرح کھینچنا کہ ان کا گلا گھونٹ دیا جائے بہت بری بات ہے، اسی طرح ان کے آرام میں خلل ڈالنا اور ان جانوروں کو آرام نہ کرنے دینا، یا ان کو برا بھلا کہنا ان سب باتوں سے ہمیں بچنا چاہئے، ورنہ یہ بے زبان

جانور اللہ تعالیٰ سے بددعا کرتے ہیں اور ان کی بددعا لگ جاتی ہے، اور اس کا ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

بچو! جانور انسانوں کی طرح زبان سے بول تو نہیں سکتے لیکن ظاہر ہے کہ وہ بھی تو جان رکھتے ہیں اور ان کو بھی غمی خوشی کی باتوں سے غمی اور خوشی ہوتی ہے، اس لئے انہیں جب کوئی آرام پہنچاتا ہے، ان کی بھوک پیاس کا خیال رکھتا ہے اور ان کو پیار کرتا ہے تو یہ جانور خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسا کرنے والے بندوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ جانور ان بندوں کو اچھی اچھی دعائیں دیتے ہیں۔

اور جو بندے ان جانوروں کو غم اور رنج پہنچاتے ہیں تو یہ جانور ان بندوں سے ناراض ہوتے ہیں اور ان پر غصہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں سے ناراض ہوتے ہیں، پھر بعض دفعہ یہ جانور غصہ میں آ کر حملہ بھی کر دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے، بعض بندے تو اس حملہ سے فوت بھی ہو جاتے ہیں اور جو فوت نہ ہوں وہ زخمی ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ جانور غصہ میں آ کر انسان کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، اور چھوٹ کر بھاگ جاتے ہیں اور پھر ہاتھ نہیں آتے، اس طرح ان کی قربانی بھی نہیں ہو پاتی۔

اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ قربانی کے جانوروں کو تکلیف پہنچانا کتنا برا ہے اور اس میں کیسے کیسے نقصان اور خرابیاں ہیں، اور یہ بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ قربانی کے جانوروں کی خدمت کرنا اور ان سے محبت پیار کرنا کتنے فائدہ کی اور اچھی بات ہے، اس لئے تمہیں چاہئے کہ جب تمہارے یہاں قربانی کے جانور آئیں تو ان سے پیار کرو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ، اور انہیں کسی بھی طرح کی تکلیف نہ پہنچاؤ، اور جب جانور کی قربانی ہو جائے تو قربانی کے جانور کا گوشت کھانا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، قربانی کے جانور کا گوشت عام دوسرے گوشت کی طرح کا نہیں ہوتا، قربانی کے جانوروں کا گوشت کھانا ثواب کا کام ہے، اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو قربانی کا گوشت ثواب سمجھ کر کھانا چاہئے، اور اپنے دوسرے دوستوں، رشتہ داروں اور غریبوں کو قربانی کا گوشت دینا چاہئے، یہ بھی ثواب کا کام ہے۔

لیکن بڑی عید کے موقعہ پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے حساب سے گوشت کھانا چاہئے، اتنا نہیں کھانا چاہئے کہ پیٹ ہی خراب ہو جائے اور ہضم ہی نہ ہو۔

پیارے بچو! جس جگہ قربانی کے جانور کو ذبح کیا جا رہا ہوں وہاں سے فاصلہ پر اور محفوظ جگہ رہنا چاہئے، کیونکہ بعض دفعہ قربانی کا جانور، ذبح کرنے اور پکڑنے والوں سے بے قابو ہو کر بھاگنے لگتا ہے اور غصہ میں

Idara Ghufran

آ کر جو بھی سامنے آئے اس کو مارنے لگتا ہے یا بھاگتے ہوئے وہاں پر موجود بندوں کے اوپر چڑھ جاتا ہے اوران کو کچل دیتا ہے، ہر سال بڑی عید کے موقعہ پر ایسے کئی واقعات ہوتے ہیں، کئی بندے فوت ہو جاتے ہیں اور کئی بندے زخمی ہو جاتے ہیں۔

بچو! یہ جو کچھ باتیں تمہیں بڑی عید کے بارے میں بتلائی گئی ہیں، ان سب کا مقصد یہ ہے کہ تم ان باتوں پر عمل کرو، اچھے کام کرو اور غلط کاموں سے بچو، کیونکہ اچھے بچوں کی نشانی یہی ہوتی ہے کہ جب انہیں اچھی باتیں بتلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر عمل کرتے ہیں اور جب غلط اور بری باتوں سے منع کیا جاتا ہے تو وہ ان سے بچتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو چھوٹی عید کے بعد بڑی عید بھی خوشیوں کے ساتھ نصیب فرمائیں، اور ہمیں اپنے پسند والے کاموں کو کرنے کی توفیق دیں اور ناراض کرنے والے کاموں سے ہم سب کو بچائیں، اور عید کے دنوں میں ہم سب کو اپنا اچھا اور خوش نصیب مہمان بننے والا بنائیں۔

اِن سوالوں کے صحیح جواب دیجئے

(۱)...... بڑی عید چھوٹی عید کے کتنے دن بعد آتی ہے؟

(۲)...... چھوٹی عید کے دوسرے کون کونسے نام ہیں؟ اور بڑی عید کے دوسرے کون کونسے نام ہیں؟

(۳)...... چھوٹی عید کے کتنے دن ہوتے ہیں؟ اور بڑی عید کے کتنے دن ہوتے ہیں؟

(۴)...... چھوٹی عید کو چھوٹی عید اور بڑی عید کو بڑی عید کیوں کہا جاتا ہے؟

(۵)...... عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ اور بقرعید کے الگ الگ معنیٰ بتلاؤ؟

(۶)...... قربانی چھوٹی عید پر ہوتی ہے یا بڑی عید پر؟

(۷)...... چھوٹی عید پر کتنے دن روزہ رکھنا منع ہے؟ اور بڑی عید پر کتنے دن روزہ رکھنا منع ہے؟

(۸)...... قربانی کے جانوروں کو بُرا بھلا کہنا اور مارنا پیٹنا اچھی بات ہے یا بُری بات ہے؟

(۹)...... قربانی کا گوشت کھانا ثواب کا کام ہے یا گناہ کا کام ہے؟

(۱۰)...... جس جگہ قربانی کے جانور کو ذبح کیا جارہا ہو، بچوں کو وہاں سے فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہئے یا جانور کے قریب کھڑا ہونا چاہئے؟

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

سونے چاندی کا استعمال اور اس کے شرعی تقاضے (قسط۱)

آج کل بہت کم خواتین ایسی ہوں گی جن کے پاس سونے یا چاندی یا دونوں کے زیورات نہ ہوں، متوسط اور غریب طبقہ کی بھی اکثر خواتین کے پاس سونے یا چاندی کے زیورات کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتے ہیں، خواہ وہ مقدار میں کم ہی ہوں۔

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے خواتین کے لئے سونے چاندی کے زیورات استعمال کرنا کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کو اپنے پاس محفوظ رکھنا اخلاقاً کوئی گری ہوئی بات ہے اور نہ ہی شرعاً یہ لازم ہے کہ سب خواتین اپنے پاس موجود سونے چاندی کے زیورات ختم کردیں بلکہ خواتین شوق سے سونے چاندی کے زیورات اپنے پاس رکھیں اور ان کو استعمال کریں لیکن ان سے متعلق شرعی تقاضوں کو ضرور پورا کریں۔

سونے چاندی سے متعلق شرعی تقاضوں کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کو سونے چاندی کے ساتھ اتنا قلبی تعلق ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے ہی غافل کردے، اس لئے کہ سونے چاندی کے زیورات کا شمار بھی ان چیزوں میں ہوتا ہے جن پر فریفتہ ہوکر انسان احکامِ خداوندی سے غافل ہوجاتا ہے۔

احکامِ خداوندی سے باز رکھنے والی چند چیزیں

سورۂ آلِ عمران کی ایک آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی چند چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کی ظاہری رونق انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے باز رکھتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ. ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ ’’خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی

(مثلاً)عورتیں ہوئیں ، بیٹے ہوئے ، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے ،نشانات لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے)مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں، دنیوی زندگانی کی اورانجام کار کی خوبی (کی چیز) تواللہ ہی کے پاس ہے (جو بعد موت کے کام آوے گی) (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض لوگ ،عورتوں یا بیٹوں یا گھوڑوں اور دیگر مویشیوں یا زراعت اور لہلہاتے کھیتوں کی ظاہری چمک دمک اوران کے نفسانی و دنیوی مفادات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا دیتے ہیں ،اسی طرح بعض خواتین سونے چاندی کے زیورات کی ظاہری چمک دمک اور نِت نئے ڈیزائنوں سے ایسی متأثر ہوتی ہیں کہ انہی کو اپنے دل کا کعبہ وقبلہ بنا بیٹھتی ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے انہی کی حرص وہوس کو جگہ دے لیتی ہیں۔

سونے اور ریشم سے پیار کا اُخروی نقصان

اور ایک حدیث شریف میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد ہے کہ عورتوں کو سونے اور ریشم نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل کررکھا ہے، چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے یہ منظر دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں،وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ بلند درجوں والے وہ فقراء حضرات ہیں جنہوں نے (اللہ کی رضا کے لئے)وطن چھوڑ کر ہجرت کی ہے اور اہلِ ایمان کے بچے بھی اعلیٰ درجات میں ہیں اور وہاں (یعنی جنت میں) مال دار لوگ اور عورتیں سب سے کم ہیں (یہ دیکھ کر میرے دل میں اس کا سبب معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا) چنانچہ مجھے بتایا گیا کہ دروازہ پر مال داروں کا حساب ہورہا ہے اور (مال کے سلسلہ میں)ان کی چھان بین ہورہی ہے (کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا ،لہٰذا وہ یہاں ابھی نہیں پہنچے)اور عورتیں یہاں آنے سے اس لئے رہ گئیں کہ انہیں سونے اور ریشم نے (اللہ تعالیٰ سے اور دین وآخرت سے) غافل رکھا(الترغیب والترہیب جلد۳صفحہ۱۰۱،ازابنِ حبان)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حدیثِ بالا میں بتایا ہے کہ عورتوں کے دوزخ میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں ان کو سونے اور ریشم نے خدا سے اوراحکامِ شریعت پرعمل پیرا ہونے سے غافل رکھا ہے،

درحقیقت عورتوں میں اچھے سے اچھے کپڑے اور عمدہ سے عمدہ زیور کی طلب اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان دونوں چیزوں کے لئے بہت سے گناہوں میں نہ صرف خود مبتلا ہوتی ہیں بلکہ اپنے شوہروں اور دوسرے عزیزوں کو بھی مبتلا کر دیتی ہیں ،اگر مال حلال ہو اور وسعت ہو تو زیور پہننا جائز ہے اور عورت کو ریشم کے کپڑے پہننا بھی جائز ہے۔

بہرحال قیمتی کپڑوں کا پہننا بھی جائز ہے ،لیکن اس کے حاصل کرنے کے لئے جو ناجائز طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور زیور اور کپڑوں کے استعمال میں دکھاوا اور خود پسندی اور دوسروں کو حقیر جاننا اور اپنے کو بڑا سمجھنا جو عورتوں میں پایا جاتا ہے ،اس نے عورتوں کو آخرت کی کامیابی سے پیچھے دھکیل دیا۔

لباس اور زیور بنوانے سے پہلے سوچنے کی تدبیر

اول یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اپنے ذاتی حلال مال زیور بنانے کے لائق ہے یا نہیں یعنی دوسری جائز ضروریات کے باوجود مال میں گنجائش ہے یا نہیں ،اگر اپنے پاس ذاتی مال نہ ہو اور شوہر سے بنوانا ہو یا ماں باپ سے تیار کرانا ہو تو ان کے پاس بھی گنجائش دیکھنا چاہئے لیکن ہوتا یہ ہے کہ پیسہ پاس نہ ہو، یا کم ہو تو سود پر رقم لا کر بنوا لیتی ہیں ،شوہر کے پاس نہیں ہوتا تو مجبور کرتی ہیں کہ کہیں سے رقم لا کر دے اگر وہ نیک آدمی ہے ،رشوت سے بچتا ہے تو اسے کچھ کے دے دے کر مجبور کرتی ہیں کہ رشوت لے اور زیور بنا کر دے، پھر یہ بھی سب عورتیں جانتی ہیں کہ زیور گھر میں ہر وقت نہیں پہنتی ہیں ، بلکہ اس کی ضرورت بیاہ شادی میں شریک ہونے یا اور کسی طرح کی مجلسوں میں جانے کے لئے ہوتی ہے ،اس میں چونکہ شان جتانے کے اور دکھاوا کرنے کی نیت ہوتی ہے،اس لئے جس شادی میں شریک ہونا ہے یا جس محفل میں جانا ہے،اس کی تاریخ آنے تک بنوا کر چھوڑتی ہیں ،پھر یہ مصیبت ہے کہ پرانا ڈیزائن نہیں چلتا۔معاشرہ میں جس نئے ڈیزائن کے زیور آجائیں اور پرانے توڑوا کر نئے ڈیزائن کے مطابق بنوانے کی فکر کی جاتی ہے اور اس میں بھی وہی ریاکاری والانفس کا چور موجود ہوتا ہے، کپڑوں کے بارے میں بھی ہے کہ کئی جوڑے کپڑے رکھے ہیں لیکن مجلسوں اور محفلوں میں جانے کے لئے نئے لباس کی ضرورت سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ

جوڑے تو کئی مرتبہ پہنے جاچکے ہیں، ان ہی کو پہن کر جائیں گی تو عورتیں نام دھریں گی اور کہیں گی کہ فلانی کے پاس تو یہی دو جوڑے رکھے ہیں ان کو ادل بدل کر آ جاتی ہے، اس میں بھی وہی دکھاوے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ جب زیور کپڑا بن جائے تو اس کے استعمال کرنے میں دکھاوا اور ریا، ونمود اور خود پسندی اور دوسروں کو حقیر جاننے سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

عورتوں کی ایک غلط فہمی کا ازالہ:

جب عورتوں کے سامنے ایسی باتیں کی جاتی ہیں تو کہتی ہیں کہ مولویوں کو کیا ہو گیا کہ بدن پر چیتھڑے ڈالنے سے بھی منع کرتے ہیں اور ہاتھوں میں چوڑی ڈالنے سے بھی روکتے ہیں، بہنو! مولوی کی کیا حیثیت جو حلال سے روکے، البتہ وہ شریعت کی بات بتاتا ہے اور اللہ کے سچے رسول ﷺ کی حدیث سناتا ہے، تم زیور بھی بناؤ، کپڑے بھی طرح طرح کے بناؤ، ہر حال میں اللہ سے ڈرو، اللہ کی یاد دل میں بساؤ، زیور کپڑے کے لئے سودی لین دین نہ کرو، نہ شوہر سے رشوت لینے کے لئے کہو، حلال مال میں گنجائش دیکھ کر بنالو، پھر شریعت کے اصول کے مطابق سالانہ زکوٰۃ دینے کی فکر کرو، اور پہننے میں دکھاوا نہ کرو، اور نہ کسی کو حقیر سمجھو، خداوندِ قدوس کے حکموں پر چلنے میں جنت کا داخلہ ہے اور اس کی نافرمانیاں کرنے پر جنت کے داخلہ سے رکاوٹ ہے، حدیث شریف میں یہی تو فرمایا کہ عورتوں کو سونے اور ریشم نے اللہ سے اور اس کے حکموں سے غافل رکھا، اور یہ چیز ان کے لئے جنت کے داخلہ سے رُکاوٹ بن گئی۔ اصول شریعت کے مطابق لباس و زیور پہنو، کون روکتا ہے اور کس کو روکنے کی مجال ہے، شریعت کے احکام بتانا سب سے بڑی خیر خواہی ہے جو بتائے اس کا شکر گزار ہونا چاہئے

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

حج وعمرہ کے موقعہ پر خواتین کے حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال : آجکل جو خواتین حج وعمرہ کے موقعہ پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جاتی ہیں، ان کی طرف سے اس چیز کا بڑا اہتمام ہوتا ہے کہ پانچوں نمازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کریں، اور اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے اور اہل علم کی طرف سے عام طور پر بیان بھی کی جاتی رہتی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی علی صاحبہ التحیۃ والسلام میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، لہذا خواتین کو بھی یہ فضیلت حاصل کرنی چاہیئے اور اس غرض کے لئے حرمین شریفین میں جا کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی خاتون کو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے آنے جانے سے منع کیا جائے تو وہ اس کو بہت برا سمجھتی ہے اور وہاں اپنی رہائش گاہ پر نماز پڑھنا بہت بڑا عیب سمجھتی ہے۔ بعض خواتین کو حج وعمرہ کے موقعہ پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی رہائش گاہ پر نماز پڑھ لیں تو وہ اس کے جواب میں کہتی ہیں کہ پھر اتنا لمبا سفر اور خرچ کر کے یہاں آنے کا کیا فائدہ ہے، اور اگر یہاں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ہمیں آنے کی ضرورت نہیں تو پھر تو حج وعمرہ بھی اپنے مقام پر ہی کر لیا جاتا، اس کے لئے آنے کی کیا ضرورت تھی، جب حج وعمرہ کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلنے اور لمبا سفر کرنے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے تو پھر یہاں پہنچ کر تھوڑے سے فاصلہ پر نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آنے میں کیا برائی ہے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تو خواتین مسجد میں آ کر نماز پڑھتی تھیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا تو اور کون ہوتا ہے منع کرنے والا۔ اسی طرح حدیث کے حوالہ سے یہ فضیلت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس نے مسجد نبوی میں چالیس نمازیں مسلسل بلاناغہ پڑھ لیں اور ایک نماز بھی فوت نہ کی تو اس کے لئے آگ سے براءت لکھ دی جاتی ہے اور اس کو نفاق سے بری کر دیا جاتا ہے (حدیث) لہذا خواتین اتنی عظیم الشان فضیلت سے کیوں محروم رہیں، اور کیا یہ فضیلت صرف مرد حضرات ہی کے لئے ہے؟ یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ حرمین شریفین میں ہجوم اور رش کے زمانہ میں خواتین کے مسجد میں آتے جاتے وقت پردہ کا لحاظ بہت مشکل ہو جاتا ہے، نامحرموں کے ساتھ جسم بھی لگ جاتا ہے اور عین نماز کے دوران پردہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اور عورتیں مرد ایک ساتھ مخلوط نماز ادا کرتے ہیں، ان حالات کے پیش نظر واضح اور مدلل انداز میں شریعت کا حکم بیان کیا جائے۔ جزاکم اللہ تعالی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب : ......خواتین کا جو طرز عمل سوال میں ذکر کیا گیا ہے وہ درست نہیں، اور ان کی طرف سے جو

اعتراضات یا دلائل بیان کئے گئے ہیں وہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ خواتین کو حج وعمرہ کے سفر پر جا کر بھی حرمین شریفین کی مساجد میں نماز پڑھنے کے بجائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اپنی رہائش گاہوں پر ہی نماز پڑھنی چاہیئے، ان کو نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد حرام اور مسجد نبوی آنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرد حضرات کے لئے حرمین شریفین میں نماز کا جو ثواب ہے احادیث کی رُو سے خواتین کو حرمین شریفین کے بجائے وہاں اپنی رہائش گاہوں پر ہی حاصل ہو جاتا ہے، حضور ﷺ نے اپنے خیر القرون کے زمانے میں بھی خواتین کا اپنا رہائش گاہ میں نماز پڑھنا مسجد میں باپردہ طریقہ پر شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے سے بہتر اور افضل قرار دیا تھا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے زمانہ میں بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی صرف اجازت دی تھی ترغیب نہیں دی تھی ترغیب اسی بات کی تھی کہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اجازت بھی ایک خاص ضرورت کی وجہ سے تھی وہ یہ کہ رسالت کے دور میں شریعت کے نئے نئے احکام نازل ہوتے رہتے تھے، آپ ﷺ مسجد نبوی میں اپنی زبان وعمل سے ان کی تعلیم فرماتے تھے اور اس کے علاوہ اور شرعی احکام کی تعلیم بھی چلتی رہتی تھی۔ اس لئے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ضرورت تھی کہ وہ مسجدِ نبوی میں وقتاً فوقتاً آکر نبی ﷺ کی تعلیمات سے باخبر ہوں اور ان کو بھی نئے احکام اور تعلیمات کی اطلاع ہو۔ اب جبکہ دینِ اسلام مکمل شکل میں امت کے پاس موجود ہے اور دوسرے طریقوں سے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ یہ ضرورت باقی نہیں رہی۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسالت کے دور کو آپ نے خود ''خیر القرون'' یعنی زمانوں میں سے سب سے بہترین زمانہ فرمایا ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد) اس وقت آپ ﷺ کی موجودگی کی برکت اور صحابہ وصحابیات کی انتہائی درجہ کی تربیت، تزکیہ اور اصلاح ہو جانے کی وجہ سے عورتوں کے مسجد آنے میں فتنہ کا امکان نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے زمانہ کی خیر اور صحابہ وصحابیات کے تقوے کو دیکھتے ہوئے اور ساتھ ہی عورتوں کو گھروں میں نماز کی ترغیب دے کر ان کو مسجد میں آنے کی صرف اجازت دے دی تھی اور اس میں بھی کئی شرائط تھیں مثلاً بے پردہ، بن سنور کر، خوشبو لگا کر اور بجتا ہوا زیور وغیرہ پہن کر نہ آئیں اور مَردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جائیں وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کئی احادیث وروایات سے واضح ہوتا ہے۔ ان شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں مسجد میں آنے اور وہاں آکر نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی، ان شرائط

کے ہوتے ہوئے بھی عورتوں کو مسجد آنے کا حکم نہیں تھا جبکہ مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار درجہ زیادہ کا ثواب اور حضور ﷺ کی امامت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شمولیت کی برکت اور سعادت کے عظیم فضائل کو حاصل کرنے کا اس سے بہتر موقع کب اور کس کو میسر آ سکتا تھا؟ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس وقت بھی خواتین کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱)......ایک حدیث میں حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ:

حضرت اُمِّ حُمید رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسولَ اللہ! مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو، مگر تمہاری وہ نماز جو تمہاری رہائش گاہ کی اندرونی کوٹھڑی میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو تمہاری رہائش گاہ کے کمرہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو تمہاری رہائش گاہ کے کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو رہائش گاہ کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو رہائش گاہ کی چہار دیواری کے اندر ہو، اُس نماز سے بہتر ہے جو تمہارے محلّہ کی مسجد میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اُس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی میرے پیچھے مسجدِ نبوی) میں ہو، چنانچہ حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا نے (گھر والوں کو کہہ کر) اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا، نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا (احمد وابنِ خزیمۃ وابنِ حبان فی صحیحیھما الترغیب والترہیب)

فائدہ:......اس حدیث سے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کا اپنی رہائش گاہ میں نماز پڑھنا اُس کے کسی بھی مسجد میں یہاں تک کہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے

(۲)......حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

عورتوں کی سب سے بہتر مسجد ان کی رہائش گاہ کا اندرونی حصہ ہے (احمد، طبرانی فی الکبیر، ابن خزیمہ فی صحیحہٖ وحاکم وقال الحاکم صحیح الاسناد، الترغیب والترہیب ۱/۲۲۶)

فائدہ:......اس حدیث میں حضور ﷺ نے عورتوں کی سب سے بہتر نماز اُن کی رہائش گاہ کے اندرونی حصہ میں پڑھنا قرار دیا ہے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ظاہر ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے خلاف ہے، لہٰذا عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی وہ فضیلت نہیں جو گھر میں پڑھنے کی ہے۔

(۲)......حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

عورت کی وہ نماز جو اس کی رہائش گاہ کے کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو رہائش گاہ کے دالان میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو اُس کی رہائش گاہ کے دالان میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو اُس کی رہائش گاہ کے صحن میں ہو اور اس کی وہ نماز جو اُس کی رہائش گاہ کے صحن میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو اس کے قبیلہ (محلّہ) کی مسجد میں ہو (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید الترغیب والترہیب ج ا ص ۱۴۱)

فائدہ:......معلوم ہوا کہ عورت کا اپنی رہائش گاہ میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(۳)......ایک روایت میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس نے اپنی رہائش گاہ کی نہایت ہی تاریک کوٹھڑی میں پڑھی ہو (الطبرانی فی الکبیر الترغیب ج ا ص ۱۴۲)

(۴)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

عورتوں کی رہائش گاہ ان کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے (رواہ ابوداؤد، احمد، الترغیب والترہیب ج ا ص ۱۴۱)

(۵)......حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز کھڑی کرتا اور اپنے نوجوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ بلا عذر جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں کو آگ لگا دیں (رواہ احمد مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۷)

فائدہ:......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی سزا اُن لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے جن کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور وہ اس کے باوجود حاضر نہ ہوتے تھے، مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلا دینے کی سزا میں رکاوٹ بنا۔

عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہونے کی مکلّف نہ تھیں اور جماعت کی اُن کو تاکید نہیں تھی۔

(۶)......ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور عورت اپنے گھر کے سب سے اندرونی حصے ہی میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب

ہوتی ہے (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح واللفظ لہ، ترمذی فی الرضاع، الترغیب والترہیب ج ا ص ۱۴۱)

فائدہ:...... جب عورت اللہ تعالیٰ کے بہت قریب اپنی رہائش گاہ میں اوراس کے بھی اندرونی حصہ میں عام حالات میں ہوتی ہے، تو نماز جو کہ قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، اُس کو رہائش گاہ میں ادا کرنے کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ قریب ہوگی اوراسی وجہ سے یہ نماز بھی زیادہ فضیلت کی حامل ہوگی، جس کی وضاحت گذشتہ احادیث کے ذریعہ سے ہوچکی ہے۔ جب خیر القرون کے دوراور حضور ﷺ کی مبارک اقتداء میں بھی مسجدِ نبوی کی باجماعت نماز کے مقابلے میں عورتوں کو اپنی رہائش گاہوں میں نماز پڑھنے کی فضیلت زیادہ تھی تو آج کے دور میں جبکہ اب نہ خیرُ القرون کا دور ہے، نہ حضور ﷺ کی مبارک اقتداء اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کے ساتھ شامل ہوکر باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت میسر ہے اور نہ ہی خواتین وحضرات میں وہ تقویٰ موجود ہے اور نہ ہی آج کل کی خواتین سے خصوصاً رش اور ہجوم کے زمانہ میں ان تمام شرائط کی رعایت ممکن ہے جن کی حضور ﷺ کے زمانہ میں خواتین پابند تھیں تو ایسی صورت میں خواتین کواس کی ترغیب واجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے (جن کے دل ودماغ نبوت کے مزاج اور سنت کے رنگ میں ڈھلے ہوئے تھے) جب زمانہ بدلتا ہوا دیکھا اور فتنہ کا امکان جو پہلے دور تھا اب وہ قریب ہوگیا، حالات بدلنے شروع ہوئے، شرارت وفساد کا اندیشہ بڑھنے لگا اور نئے احکام معلوم کرنے کے لئے براہِ راست عورتوں کی شرکت کی ضرورت نہ رہی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے (جو نبوت کے مزاج کو پوری امت سے زیادہ سمجھنے والے ہیں) عورتوں کو مردوں کے ساتھ نمازوں میں شریک ہونے سے منع فرمادیا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول وفعل بھی حجت ہے بلکہ حضور ﷺ کے قول وفعل کا ہی ایک طرح سے ترجمان ہے۔

(۱)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

> اگر نبی کریم ﷺ ان حالات کو دیکھ لیتے جو آپ کے بعد عورتوں نے پیدا کردیئے ہیں تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا (بخاری، مسلم واللفظ لہ، ابوداؤد، مؤطا امام مالک ومسند احمد)

یہ خیر القرون کے دور کی بات ہے اوراس ہستی کا فرمان ہے جس کے بارے میں خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

(حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے، جس طرح ثرید (ایک قسم کا عربی کھانا) کو کھانوں کی دوسرے اقسام پر (بخاری ومسلم)

اور آج کے دور کی عورتوں اور مَردوں کے ایجاد کردہ منکرات خیر القرون کے دور کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں، نہ پردہ کا اس درجہ کا اہتمام ہے اور نہ تقویٰ، طہارت اُس درجہ کا ہے، اور نہ رش وہجوم کی وجہ سے عورتوں کا نامحرموں سے بچنا آسان ہے، اور بھی کئی خرابیاں اس میں پائی جاتی ہیں (جن کا سوال میں بھی ذکر کیا گیا ہے) لہٰذا آج کے دور میں خواتین کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا کیونکر جائز اور اس سے بڑھ کر افضل قرار دیا جاسکتا ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۶ ص ۱۵۸ باب خروج النساء الی المساجد)

(۲)......حضرت ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ:

انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم گھروں میں چلی جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے (طبرانی، مجمع الزوائد)

(۳)......اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالا کرتے تھے (اور ظاہر ہے کہ یہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوتا تھا) (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۷ باب خروج النساء الی المساجد)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے ارشادات کی روشنی میں بہت سے تابعین اور فقہائے امت نے عورتوں کو مسجد میں شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بھی آنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ بعض علماء نے چند شرائط کی قید لگا کر عورتوں کو مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے آنے کی اجازت دی ہے۔ ان شرائط کی رعایت کئے بغیر کسی نے بھی اجازت نہیں دی بلکہ ممانعت فرمائی ہے اور آج کل عام طور پر ان شرائط کی پابندی نہیں ہوتی، اس لئے موجودہ حالات میں کسی کے نزدیک بھی عورتوں کا مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے آنا جائز نہیں ہوگا

(ردالمحتار ج ۱ ص ۵۶۶، البحرالرائق ج ۱ ص ۳۵۸، فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۷، ہندیہ ج ۱ ص ۸۹)

البتہ خواتین کو مسجدِ حرام میں بیت اللہ کی زیارت وطواف کرنے اور مسجدِ نبوی میں روضہ پر حاضری کی غرض سے پردہ اور دوسری شرائط کا پورا پورا اہتمام کرتے ہوئے آنے کی اجازت ہے، ممانعت نہیں۔ اگر خواتین کسی وقت بیت اللہ کو دیکھنے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام میں، یا صلوٰۃ وسلام کی غرض سے مسجد

نبوی میں آئیں اور جماعت کا وقت ہو جائے اور وہ جماعت میں شامل ہو کر نماز با جماعت پڑھ لیں تو انکی نماز ہو جائے گی، لیکن ایسی حالت میں بھی عورت مردوں کے درمیان کھڑی نہ ہو۔ اگر عورت مردوں کے درمیان ساتھ مل کر کھڑی ہو اور اس طرح با جماعت نماز پڑھے تو بہت سی صورتوں میں تین مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، دائیں، بائیں کے دو مردوں کی اور پیچھے سیدھ میں ملی ہوئی صف میں کھڑے ہوئے شخص کی' اور اس کا سبب یہ عورت بنی جس کا گناہ اس کو ملے گا اور بے پردگی ہوئی تو اس کا گناہ الگ ہوگا، نیز کوئی بدنظری میں مبتلا ہوا تو اس کا گناہ سبب بننے کی وجہ سے عورت کو بھی ملے گا۔ بالفرض بغیر ارادے کے کوئی عورت اتفاقیہ طور پر خاص نماز کے وقت مردوں کی صفوں کے درمیان پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہو اور مردوں سے الگ نماز پڑھنے کی جگہ نہ ملے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت اس کو خاموش بغیر نماز کے جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہیئے نماز کی نیت کر کے مردوں کے بیچ اور درمیان میں مل کر ہرگز نہ کھڑی ہو، جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر تنہا وہیں وہ اپنی نماز ادا کرے، عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے بھی ایسے وقت جانے کی کوشش کرنی چاہیئے جب نماز کا وقت نہ ہو اس وقت نسبتاً رش اور بھیڑ بھی کم ہوتی ہے۔ اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہو جائے تو اذان ہوتے ہی جلدی جلدی طواف پورا کر کے فارغ ہو جائے یا طواف درمیان میں چھوڑ دے، اور جتنے چکر رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد جہاں سے چھوڑے تھے وہیں سے پورے کر لے، یا اسی طواف کو از سرِ نو دوبارہ کر لے، بہر حال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے (ماخوذ بتغیر از بصائر وعبر حصہ دوم ص ۵۳۹ وص ۵۴۰ مولانا بنوری رحمۃ اللہ واحسن الفتاوٰی ج ۳ ص ۳۴)

رہا عورتوں کا یہ اعتراض کہ اگر عورتوں کو حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں پھر حج وغیرہ بھی اپنے ملک میں کر لینا چاہئے اور یہاں آنے کا کیا فائدہ؟ اور جب حج عمرہ کا لمبا سفر کرنے کی اجازت ہے تو وہاں پہنچنے کے بعد نماز کے لئے حرمین شریفین میں جانے میں کیا حرج ہے؟ تو اس سلسلہ میں سمجھ لینا چاہئے کہ حرمین شریفین میں جانے کا اصل مقصد حج وعمرہ اور روضہ کی حاضری ہے نہ کہ نماز، نماز تو ہر جگہ ہو جاتی ہے حج ہر جگہ نہیں ہو سکتا، اور حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت کا مسئلہ خواتین کے لئے پہلے ذکر کیا جا چکا۔ لہٰذا نماز کو حج وعمرہ کے سفر اور اس کے احکام پر قیاس کرنا درست نہیں۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔ ۲۲/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ۔ دارالافتاء والاصلاح، ادارہ غفران، راولپنڈی

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب:مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات،مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

سوالات وجوابات

مدیر ادارہ مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم بروز جمعہ نمازِ جمعہ کے بعد مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار میں ایک عرصہ سے اجتماعی انداز میں لوگوں کے سوالات کے جوابات زبانی طور پر بیان فرماتے ہیں،اوراس کے ذیل میں کئی مفید علمی واصلاحی باتیں بھی بیان فرماتے ہیں،اس نشست کے سوالوں اور جوابوں کے مذاکرہ کوریکارڈ کرلیا جاتا ہے اب افادۂ عام کے لئے ٹیپ کی مدد سے ان کو نقل کر کے ماہنامہ التبلیغ میں سلسلہ وار شائع کیا جارہا ہے،ملحوظ رہے کہ درج ذیل مضامین کو ریکارڈ کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے،ٹیپ سے نقل کرنے کی خدمت مولانا ابرار ستی صاحب نے اور نظرِ ثانی،ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا مفتی محمد یونس صاحب نے انجام دی ہے،اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں......ادارہ

(محرم ۱۴۲۵ھ،بروز جمعہ)

ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال:...... مسجد کے امام صاحب کا کہنا ہے کہ اگر ٹوپی نہ پہنیں تو نماز ادا ہی نہیں ہوتی،ان کا کہنا کہاں تک درست ہے؟

جواب:...... نماز ادا تو ہوجاتی ہے لیکن ثواب کے اعتبار سے ناقص ادا ہوتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب نماز ادا ہوجاتی ہے تو ہم ننگے سر ہی نماز پڑھیں گے یا یہ کہنا کہ ننگے سر نماز ادا ہی نہیں ہوتی،اس طرح کہنے والے دونوں فریق ہی غلط ہیں وہ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ نماز ہوتی ہی نہیں وہ بھی غلطی کررہے ہیں اور جو شخص بلاوجہ ننگے سر نماز پڑھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ جب ننگے سر نماز ہوجاتی ہے تو پھر ٹوپی کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بھی غلطی کررہا ہے دونوں غلطی پر ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ نماز ہوجاتی ہے لیکن پڑھنی نہیں چاہئے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شلوار پہن کر مسجد آجائے اور شلوار ناف تک اوپر کر کے باندھ لے اور ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا ستر والا حصہ چھپالے

اور اسی حال میں ملنگ بن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوجائے گی اسی طرح بس ٹوپی کا مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ ٹوپی کے بغیر نماز ہوجائے گی لیکن پڑھنی نہیں چاہیے، تو غور فرمایئے کہ مسجد میں صرف شلوار میں آ کر نماز پڑھنے والے شخص کو کوئی برداشت کرے گا؟ کوئی ملنگ یا لفنگا ہی برداشت کرے گا یہی حال نماز کا بھی ہے کہ بلاوجہ ٹوپی کے بغیر نماز پڑھ کر نماز کے ثواب کو صرف اس بنیاد پر کم کر دینا کہ نماز ہو جاتی ہے کوئی عقلمندی نہیں۔ تو نماز ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے تنگیوں کو امت سے دور کیا ہے کہ اگر کسی وقت میں ٹوپی نہ ہو یا پنکھا چل رہا ہو اور ہوا میں اڑ جائے یا اس کے بھی امکانات موجود ہیں کہ کوّا اُٹھا کر لے جائے یا ٹوپی کہیں پر بھولے سے رہ جائے وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اسے نماز نہیں چھوڑنی چاہیے بلکہ نماز پڑھ لینی چاہیے لیکن لوگوں نے اس کا الٹا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا کہ نماز ہو جاتی ہے اس لیے ٹوپی نہیں رکھتے، تو نماز ہوجاتی ہے کا یہ مطلب نہیں کہ ٹوپی کی اہمیت دل سے نکال دی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کبھی اگر ایسی صورت ہوجائے کہ ٹوپی نہ ہو تو پھر بھی نماز ہوجائے گی (ملاحظہ ہو: بہشتی زیور گیارہواں حصہ ص ۶۶)

ظہار کیا ہے؟

سوال:...... ظہار کسے کہتے ہیں؟

جواب:...... ظہار اسے کہتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اپنی بیوی کے کسی ایسے عضو کو جسے بول کر پورا جسم مراد لیا جاتا ہے جیسے سر اور گردن وغیرہ، اپنی محرم عورت (جس کے ساتھ ساری زندگی کے لئے نکاح کرنا حرام ہے) کے پیٹ، پیٹھ یا ایسے عضو جس سے پردہ ہے کے ساتھ مشابہت دے، مثلاً اپنی بیوی کو یہ کہہ دے کہ آج کے بعد تو میرے اوپر ایسی ہے جیسا کہ میری ماں کا پیٹ یا جیسے کہ میری ماں کی پیٹھ یا میری ماں کی شرمگاہ وغیرہ یا اپنی کسی اور محرم مثلاً بیٹی، بہن وغیرہ کے ساتھ یا اس کے جسم کے ایسے عضو جس سے پردہ ہے کے ساتھ مشابہت دے دے تو ایسی صورت میں ظہار ہو جاتا ہے (ملاحظہ ہو: شامی ج ۳ ص ۴۶۶، ومابعد معارف القرآن ج ۸ ص ۳۳۵ بہشتی زیور، چوتھا حصہ ص ۵۸، ۵۹)

ظہار کا کفارہ کیا ہے؟

اسی سلسلے میں فرمایا کہ:

سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظہار کا حکم بیان فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ پہلے تو یہ فرمایا کہ تم میں جو لوگ بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ (بیویاں) ان کی مائیں نہیں ہیں

بلکہ وہ ان کی بیویاں ہیں اور پھر فرمایا:’’ اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَھُمْ‘‘ کہ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جن سے یہ پیدا ہوئے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ’’ وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ ‘‘اور جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں’’ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ‘‘یعنی پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو’’فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ‘‘یعنی ان کے ذمے ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے اختلاط کریں، اس کے بعد فرمایا کہ اگر غلام، باندی میسر نہ ہو تو’’فَصِیَامُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ‘‘یعنی لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے اختلاط کریں۔

اور اس کے بعد فرمایا:’’فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا ‘‘ کہ جس روزے بھی نہ رکھے جا سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ روزے لگاتار رکھے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلائے اور یہ کام بیوی کے پاس جانے سے پہلے کرے، غلام آزاد کرنا بیوی کے قریب جانے سے پہلے کرے اور روزے رکھنا بھی بیوی کے قریب جانے سے پہلے ہے لیکن کھانا کھلانے کے دوران بیوی کے قریب جا سکتا ہے کیونکہ وہاں قید نہیں آئی کہ سارے کھانا کھا چکیں پھر بیوی حلال ہوگی بلکہ یہاں پہلے بھی جا سکتا ہے کیونکہ وہاں چھونے سے پہلے کا لفظ آیا ہے اور یہاں یہ قید نہیں ہے۔

اسلام میں غلام آزاد کرنے کا درجہ

اسی سلسلے میں مزید فرمایا:

اسلام میں غلام کو آزاد کرنا اتنی بڑی عبادت رکھا گیا ہے کہ بہت سے موقعوں پر کفارہ اور فدیہ غلام کو آزاد کرنے کی شکل میں طے کیا گیا ہے یعنی غلام آزاد کرنے کو عبادت کا رنگ دے دیا گیا ہے، اس سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جب غلام کو آزاد کرنا اتنی بڑی عبادت ہے تو اس کو پکڑنا اور غلام بنانا گناہ یا ظلم ہوگا، لیکن ایسی بات نہیں ہے بلکہ غلام بنانے میں اس کے لیے خیر ہے اس لئے کہ جب غلام بنایا جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے ماتحت ہو کر رہتا ہے جب مسلمانوں کے معاشرے میں آجاتا ہے ان کا رنگ ڈھنگ دیکھتا ہے ان کی صحبت سے مستفید ہوتا ہے تو وہ بھی مسلمان ہو جاتا ہے تو قتل سے بہتر ہے کہ آخرت بھی بچ گئی دنیا بھی بچ گئی ورنہ قتل ہو جاتا تو نہ دنیا رہتی نہ آخرت رہتی، اب آخرت تو بچ گئی اگرچہ غلام ہے مگر

دوزخ سے تو نجات مل گئی چھوٹی سی قید مل گئی اور اس کے عوض حقیقی آزادی مل گئی، زیادہ تر اسلامی تاریخ میں کافر غلاموں کے مسلمان ہوجانے کے واقعات ملتے ہیں، مگر یہ اثر جب ہوتا ہے جبکہ مسلمان اسلامی طریقوں پر چل رہے ہوں، آج کل کی طرح نہیں۔

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال:...... امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:...... امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز جمعہ ہو رہی ہو اور امام صاحب خطبہ پڑھ رہے ہوں اور سارے مقتدی بھی خطبہ پڑھ رہے ہوں کیونکہ خطبے کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا اور فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن جس طرح امام کا خطبہ سب کے لئے کافی ہے اسی طریقے سے امام کی سورۂ فاتحہ بھی سب کے لئے کافی ہے، اگر سارے امام کے پیچھے خطبہ پڑھیں گے تو گناہ گار ہوں گے اسی طریقے سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ یہ مکروہ تحریمی وممنوع ہے (شامی ج ا ص ۵۴۴) ایسا نہیں کہ پڑھ لیں تو بھی جائز اور نہ پڑھیں تو بھی جائز ہے ایک مولویوں کا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہے گویا کہ ان کے ہاں غلط بھی ٹھیک ہے اور صحیح بھی ٹھیک ہے، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں ہمارے فقہائے کرام کی تحقیق کے مطابق امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا پہلے جائز تھی بعد میں منع ہوگئی، لہٰذا اب وہ کیسے ٹھیک ہوسکتی ہے؟ پہلے تو شراب بھی جائز تھی، اس لئے امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء کی بات ماننے کا مطلب

اسی سلسلے میں فرمایا کہ:

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو تمہارے فقہاء کے نزدیک ہے اور ہم فقہاء کی بات نہیں مانتے، بلکہ ہم تو قرآن وحدیث کی بات مانتے ہیں تو ہم انہیں یہ کہیں گے کہ آپ کا یہ کہنا کہ یہ فقہاء کی بات ہے قرآن حدیث کی نہیں، یہ غلط ہے، اصل بات یہ ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی بات اہل ہو کر سمجھنا اور ایک نا اہل ہو کر سمجھنا، تو ہم قرآن حدیث کو اہلوں سے سمجھتے ہیں اور آپ اہلوں سے سمجھتے نہیں اور خود نا اہل ہیں تو یہ قرآن وحدیث پر کیسے عمل ہو گیا حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خود اس کو سمجھے کی اہلیت ہو، اگر اپنے اندر اتنی اہلیت نہ ہو تو جن میں اہلیت ہے اور وہ قرآن وحدیث کو صحیح سمجھتے ہیں قرآن وحدیث کی بات ان کی ہدایت کی روشنی میں مانی جائے اس کی مثال ایسے ہوگئی کہ کوئی خود تو وکیل (ماہرِ قانون) نہیں

ہے اور جو ماہرِ قانون ہیں ان کی مدد بھی نہیں لیتا تو ظاہر ہے کہ مقدمہ آگے نہیں چل سکتا یا تو خود وکیل ہو اور یا وکیل کی پیروی کرے تیسرا کوئی بھی راستہ نہیں دنیا کے ہر شعبے کے اندر یہی دستور اور قانون ہے، اور دین کے معاملے میں بھی یہی ہے (ملاحظہ ہو: تجلیاتِ صفدر ج ا ص ۲۹، وص ۳۴، وص ۳۵)

غصے کا بہترین علاج

سوال:...... غصے کا بہترین علاج کیا ہے؟

جواب:...... غصے کا بہترین علاج یہ ہے کہ غصہ پی جائیں، کیونکہ حدیث شریف میں سب سے بڑا بہادر اس کو قرار دیا گیا جو غصے کو پی جائے (بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۴۳) پینے کے بھی کچھ طریقے ہوتے ہیں کبھی یہ طریقہ ہوتا ہے کہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں کبھی پانی پی لینا کبھی غسل کر لینا، کبھی وضو کر لینا کبھی وہاں سے الگ ہو جانا یہ سب چیزیں غصے کو پینے کا ذریعہ ہیں کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری کہ جہاں اور جس جگہ تُو تُو میں میں ہو رہی ہو وہاں سے چل دے (شریعت وطریقت ص ۲۲۰) جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے " وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۂ فرقان آیت ۶۳) " کہ جب ایسے جاہل لوگوں سے تمھارا واسطہ پڑ جائے اور تُو تُو میں میں بڑھنے لگے تو ان سے کہیں سلام، اپنا کام کرو! یعنی سلامتی کی بات کہو، جس سے دوسرے کو ایذاء نہ ہو اور یہ گناہگار نہ ہو، اور کہہ کر الگ ہو جاؤ (بحوالہ معارف القرآن ج ۶ ص ۵۰۳)

سالگرہ کا تحفہ لینے کا حکم

سوال:...... سال پورا ہونے پر اگر سالگرہ کے نام سے کوئی نہ چاہتے ہوئے بھی تحفہ دے جائے تو کیا لے لینا چاہئے؟

جواب:...... لوگوں کو سالگرہ کا بتانا ہی نہیں چاہئے، جب کوئی سالگرہ کا بتائے گا تو پھر تحفے لے کر آئیں گے، ان پر وحی تو نہیں آئے گی کہ آج فلاں کی سالگرہ ہے اس لئے تحفے لے کر جاؤ اور جب تحفوں کا اندیشہ ہو تو پہلے ہی دائیں بائیں ہو جائیں اور اگر کوئی لے کر آئے تو ان سے کہیں کہ کس لئے دے رہے ہو سالگرہ کی وجہ سے دے رہے ہو یا ایسے ہی تحفہ دے رہے ہو اگر سالگرہ کی وجہ سے دے رہے ہو تو میں تو نہیں لیتا یہ تو فضول بلکہ کافروں کی رسم ہے اور اگر ویسے ہی خوشی میں دے رہے ہو پھر اس موقعے پر دینے کی ضرورت کیا ہے؟ اور کسی موقعے پر دے دینا یہ اس کا عمدہ علاج ہے (ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۱۲۷)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاِبْصَارِ﴾ مولوی طارق محمود

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط ۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ستاروں کی عبادت کرنا

جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بتوں کے ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی عبادت کرتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح اپنی قوم کو بتوں کی عبادت کرنے سے منع کیا اوران بتوں کا کسی نفع نقصان کا مالک نہ ہونا اپنی قوم پر برابر ثابت کرتے رہے، اسی طرح اپنی قوم کو ستاروں کی پرستش اورعبادت سے بھی منع فرماتے رہے۔

ان کی قوم کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانوں کی زندگی وموت، ان کا رزق، نفع ونقصان، خشک سالی اور قحط سالی، فتح وناکامی، غرض تمام عالم کا نظم ونسق ستاروں اوران کی حرکات کی تاثیر سے چل رہا ہے، اور یہ تاثیران ستاروں کی ذاتی اوصاف میں سے ہے، اس لئے ان ستاروں کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہے، اور ستاروں کی خوشنودی حاصل کرنا ان کی پرستش اورعبادت کے بغیر ممکن نہیں۔

اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح ان کے زمینی باطل معبودوں کی حقیقت ان پر اچھی طرح ظاہر کرکے ان کو حق کے راستے کی طرف دعوت دی، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ ان کے ستاروں کے معبودوں کی بے ثباتی اوران کے فانی ہونے کا منظر قوم کے سامنے پیش کرکے اس حقیقت سے بھی ان کو آگاہ کردیں کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ ان چمکتے ہوئے ستاروں، چانداور سورج کو خدائی طاقت حاصل ہے، اور یہ کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ تمہارا باطل عقیدہ اور غلط خیال ہے۔

مگران کی قوم ایسی باطل پرست تھی کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں سے اس قدر ڈرتے تھے کہ ان کو برا کہنے والوں کے بارے میں ان کا یہ تصور تھا کہ وہ ان بتوں کے غضب اورغصہ کا شکار ہوکر تباہ وبرباد ہوجائیں گے، تو ایسے اوہام پرستوں کے دل میں بلند وبالا ستاروں سے یقین ہٹانا اوران کے خلاف یہ جذبہ پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔

Idara Ghufran

ستارہ پرستی کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکیمانہ دعوت

اس لئے (مجد دِانبیاء) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ذہنی سطح کے مطابق ایک عجیب اور دلچسپ اندازِ بیان اختیار فرمایا۔

تاروں بھری رات تھی، اور ستارے خوب چمک رہے تھے، ایک ستارہ خوب روشن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ستارے کو دیکھ کر اپنی قوم کو آگاہ اور تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا ''(تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا رب ہے؟'' اس لئے کہ اگر ستارے کسی کا رب ہو سکتے ہیں تو یہ ستارہ چونکہ ان سب ستاروں میں سب سے زیادہ روشن اور چمک والا ہے، اس لئے یہی ستارہ رب ہوسکتا ہے (مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات وعقائد کی رُو سے یہی میرا اور تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا) چنانچہ وہ ستارہ جب اپنے وقتِ مقررہ پر نظر سے اوجھل ہو گیا، اور اس کو یہ قوت وطاقت تک حاصل نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کے لئے ایک گھڑی اور ٹھہر کر ان کو اپنا چہرہ دکھا سکتا اور نظامِ کائنات سے منحرف ہو کر اپنے پوجنے والوں کے لئے زیارت کا مرکز بنا رہتا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ آیا آپ نے فرمایا ''میں چھُپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا'' مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جس کو خدا یا معبود بنایا جائے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہونا چاہئے، مولانا رومی رحمہ اللہ نے ایک شعر میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: ؎

خلیل آسا درملک یقیں زن — نوائے لا احب الآفلین زن

ترجمہ: ابراہیم خلیل اللہ کی طرح یقین کی دنیا میں اتر آ اور لا احب الآفلین کا نعرہ مستانہ بلند کر

تھوڑی دیر بعد دوبارہ نظر اٹھائی تو چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ سامنے موجود تھا، اس کو دیکھ کر اپنی قوم سے یہ فرمایا ''(تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا رب ہے؟'' اس لئے کہ یہ خوب روشن ہے اور اپنی ٹھنڈی روشنی سے سارے عالم کو اس نے روشن کر رکھا ہے (مگر اس کی حقیقت بھی کچھ ہی دیر بعد سامنے آ جائے گی) اب سحر کا وقت ہو گیا اور اس چاند کے روپوش ہونے کا وقت آ پہنچا، اور جس قدر طلوعِ آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا، تو یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے چاند کے رب ہونے کی نفی ہونے کے ساتھ ساتھ

خدائے واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ اس خاموشی کے ساتھ پھیر دی جائے کہ قوم اس کا احساس بھی نہ کر سکے، اور اس گفتگو کا جو مقصد ہے ''یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا'' وہ ان کے دلوں میں بغیر قصد وارادہ کے پیوست ہو جائے، اس لئے فرمایا ''اگر میرا حقیقی پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا رب اور معبود سمجھ بیٹھتا'' لیکن اس کے طلوع وغروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابلِ عبادت نہیں (اس سے بھی اس طرف اشارہ فرمادیا کہ میرا رب کوئی دوسری شے ہے جس کی طرف سے مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے)

رات ختم ہونے کے بعد جب دن آیا اور سورج نکل کر سامنے آیا اور سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اپنی قوم کو اسی طریقہ کے مطابق فرمایا کہ'' (تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے'' (مگر اس بڑے کی حقیقت بھی عنقریب تمہارے سامنے آ جائے گی) لیکن دن بھر چمکنے اور روشن رہنے اور تمام عالم کو روشن کرنے کے بعد وقتِ مقررہ پر اس نے بھی عراق کی سرزمین سے پہلو بچانا شروع کر دیا اور رات کے اندھیرے آہستہ آہستہ چھانے لگے، اور آخر کار وہ سورج نظروں سے غائب ہو گیا، تو اب وہ وقت آ پہنچا کہ قوم کے سامنے اصل حقیقت کا اعلان کر دیں اور قوم کو لاجواب بنا دیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اگر ان کواکب کو رب اور معبود ہونے کا درجہ حاصل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان میں ہم سے بھی زیادہ تغیرات نمایاں ہیں اور یہ جلد جلد ان کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں، اور یہ معبود ہیں تو یہ چمک کر ڈوب کیوں جاتے ہیں، جس طرح چمکتے نظر آتے ہیں اسی طرح کیوں نہ چمکتے رہے، چھوٹے ستاروں کی روشنی کو چاند نے کیوں ختم کر دیا اور چاند کی روشنی کو سورج کے نور نے کیوں ختم کر دیا۔ [1]

اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اب اپنی قوم سے واضح طور پر فرمادیا کہ میں ان مشرکانہ عقائد سے بالکل بیزار ہوں، بے شک میں نے اپنا رخ سب سے یکسو ہو کر صرف اسی اللہ کی طرف کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، اور میں مشرک نہیں ہوں۔ (جاری ہے............)

[1] قرآن مجید میں یہ تصریح نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو متعدد راتوں میں ہوئی یا ایک ہی رات میں ہوئی، اگر ایک ہی رات کا واقعہ ہے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسی رات کا واقعہ ہے جبکہ چاند کچھ رات گئے نکلتا ہے۔

طب و صحت حکیم محمد فیضان

طبی معلومات و مشوروں کا مستقل سلسلہ

مچھلی (FISH)

مچھلی مشہور پانی کا جانور ہے، مچھلی زیادہ تر بطور غذا استعمال کی جاتی ہے، یہ جلد ہضم ہونے والی ہے۔ بدن کو غذا اور قوت بخشتی ہے۔ دماغ کو طاقت دیتی ہے، ذہانت کی ترقی کے لئے مچھلی پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مچھلی دماغ کی غذا ہے۔ یہ قوت باہ کو قوی کرتی ہے، کمزور لوگوں کے لئے بہترین غذا شمار کی جاتی ہے۔ مچھلیاں آدھا انچ سے لے کر پچاس فٹ تک لمبی اور ایک ماشہ سے لے کر ۶ من وزن تک ہر سائز اور ہر وزن میں موجود ہیں۔ پاکستان میں مچھلی کو روٹی کے ساتھ بطور شوربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مچھلی کے کباب اور پکوڑے بھی بنائے جاتے ہیں۔ مچھلی کو فرائی کر کے بھی بہت شوق سے کھایا جاتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق زمین پر مچھلی کا وجود ۴۵ کروڑ سال سے ہے۔

عربی زبان میں مچھلی کو سمکٌ۔ حوتٌ۔ فارسی میں ماھیؔ۔ انگریزی زبان میں (FISH)۔ سندھی اور پنجابی میں مچھیؔ کہتے ہیں۔

مزاج

مچھلی کا مزاج بقول بعض سرد تر اور بعض اطبا کے مطابق گرم و تر ہے۔

اقسام

مچھلی کی بے شمار قسمیں ہیں۔ جس طرح انسان مختلف علاقوں اور ماحول کی وجہ سے شکل۔ رنگ اور قد میں مختلف ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح مچھلی مختلف علاقوں کے ماحول کے لحاظ سے الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً اڑنےؔ والی مچھلیاں جنہیں اڑنے والی یا بحری ابابیل بھی کہتے ہیں۔ انسان نما مچھلیاں، انسانی چہرہ کے ساتھ عورت کی چھاتیوں کی طرح چھاتیاں رکھتی ہیں۔ ان کے سر پر لمبے بال بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لاہور میں ایک پارسی اس قسم کا جوڑا لایا تھا اس نے اس کی نمائش نیلا گنبد کے سامنے کی تھی۔ ان دونوں میں عورت اور مرد کے ستر بھی نمایاں تھے۔

شیر اور ہاتھی کے مشابہ مچھلی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔اس کا جسم اور دھڑ ہاتھی جیسا ہوتا ہے لیکن اس کا چہرہ شیر کے ہم شکل ہوتا ہے، اس مچھلی کے دو دانت بھی ہاتھی کی طرح نیچے جھکے ہوئے ہوتے ہیں، جن کی لمبائی تقریباً بیس انچ اور نو انچ موٹائی ہوتی ہے۔

شارک مچھلی ، بعض شارک مچھلیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ کوئی دوسرا جانور جسامت میں ان کے برابر نہیں

وہیل مچھلی ، اس کو سمندری گائے بھی قرار دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہیل سب سے بڑا سمندری حیوان ہے

پاکستان کے دریاؤں میں روہو، مہاشیر تھیلہ ، موری، ڈولہ، چھلکے والی مچھلیاں ہیں، اور بغیر چھلکے کے ملھی ، کھگا، ایل، سرمئی، اور بام مشہور ہیں۔ان میں سے ہر ایک کا ذائقہ اور ان میں کانٹوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔عموماً فارم کی مچھلی دریائی اور شیریں سمندر کی مچھلی بطور غذا پکا کر کھائی جاتی ہے۔

مچھلی اپنی نسل قائم رکھنے کے لئے انڈے دیتی ہے۔جنہیں خود تو نہیں سیتی بلکہ سورج کی گرمی سے انڈوں کے اندر نشونما پا کر بچے خود نکل آتے ہیں اور یہ بچے اپنے اردگرد کے ماحول سے ہی اپنی غذا حاصل کر کے نشونما پاتے ہیں۔ پاکستان میں مچھلیوں کی نسل افزائی اپریل سے اگست تک ہوتی ہے۔اس دوران مچھلی کو پکڑنا اس کی آئندہ نسل کو تباہ کرنے والی بات ہے۔اس زمانے میں مچھلی کے گوشت سے ایک خاص قسم کی بد بو بھی آتی ہے اس لئے ان دنوں میں مچھلی سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ انگریزی کے جس مہینے میں لفظ ''ر'' نہ ہو اس مہینہ میں مچھلی نہ کھائی جائے۔ جیسے مئی ، جون، جولائی، اور اگست جب کہ ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، جنوری، فروری، مارچ، اور اپریل میں مچھلی کھانا ٹھیک ہے۔اتفاق سے اپریل کے علاوہ یہ کہاوت مچھلیوں کی افزائش نسل کے پروگرام کو سامنے رکھ کر درست معلوم ہوتی ہے۔

مچھلی کے چند فوائد

ایک عام مچھلی میں 80 فی صدی پانی اور 14 سے 23 فی صدی لحمیات اور نائٹروجن کے دوسرے مرکبات ہوتے ہیں۔معدنیات میں کیلسیم، فاسفورس، آیوڈین، اور تانبہ ملتے ہیں۔

مچھلی کم حراروں والی پروٹین حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔ایک پکی ہوئی مچھلی کا سو گرام کا ٹکڑا ایک بالغ شخص کو درکار پروٹین مجوزہ غذا کا ایک تہائی مہیا کرتا ہے۔اس میں سو کے قریب حرارے پائے جاتے ہیں۔مچھلی کے گوشت میں فاسفورس ہونے کی وجہ سے جسم کی پرورش کے علاوہ یہ دماغ کی تقویت کا باعث بھی ہے ہے۔مچھلی میں وٹامن A، اور وٹامن D وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں وٹامن

آنکھوں ،جلد، دانتوں ،اور ہڈیوں کے لئے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔وٹامن B خصوصاً نیاسین اور وٹامن B6 بہ کثرت ہوتے ہیں۔یہ وٹامن اور لحمیات کے ہضم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔یہ جلد اور اعصابی نظام کی خرابیاں اور کمزوریاں دور کرنے میں مدد دیتے ہیں۔مچھلی پوٹاسیم ،فولاد اور آیوڈین بھی فراہم کرتی ہے۔مچھلی سے حاصل ہونے والا فلورائیڈ دانتوں کو مضبوط بناتا ہے،انھیں بیماریوں سے بچاتا ہے جدید تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ مچھلی کے کھانے سے دل کی بیماریوں کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔مچھلی سے ایک خاص قسم کا تیل بھی کشید کیا جاتا ہے۔ماہرین کی رائے ہے کہ مچھلی کا تیل کولیسٹرول اور چربی کی مقدار کم کر کے عارضہ قلب میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔خون کو گاڑھا یا منجمد نہیں ہونے دیتا،خون کا گاڑھا پن دل کے دورے کا باعث بن سکتا ہے۔خون کے گاڑھا ہونے سے لوتھڑے بن جاتے ہیں جو دل کے دورے کا بڑا سبب ہوتے ہیں۔ایک مچھلی میں پائے جانے والے کل روغنیات میں فقط 11 سے 27 فی صد سیر شدہ (سیچو ریٹڈ) یعنی جمنے والی چربی ہوتی ہے، جب کہ گائے کے گوشت میں اس کی مقدار 48 فی صد ہوتی ہے(یاد رہے کہ کیمیائی اصطلاح میں منجمد چکنائی کو سیر شدہ کہتے ہیں، مثلاً مکھن، حیوانی چربی، ناریل کا تیل، بناسپتی گھی وغیرہ)......مچھلی کا تیل آنکھوں اور جلد کی حفاظت اور جسم کو بیماریوں سے بچانے کے لئے از حد مفید ہے......ایک تحقیق کے مطابق مچھلی سے حاصل ہونے والی اومیگا 3 نامی چکنائی بلڈ پریشر کو کم کرتی ہے،اور جلد کی بیماریوں مثلاً چنبل، خارش سے محفوظ رکھتی ہے۔سوزش اور جوڑوں کے درد کو کم کرتی ہے۔دماغی نشونما میں مدد دیتی ہے۔مچھلی سل، دق،خشک کھانسی میں فائدہ دیتی ہے،ضعف گردہ میں مفید ہے......مچھلی میں نشاستہ بڑی معمولی مقدار میں ہوتا ہے۔اس لئے شوگر کے مریض بھی اطمنان کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔سمندر اور بہتے پانی کی مچھلی بہترین سمجھی جاتی ہے......مچھلی کی اصلاح کے لئے سرخ مرچ گرم مصالحہ اور ادرک ملا کر پانی کی جگہ دہی شامل کر کے تیل میں پکانا مفید ہے۔مچھلی اگر باسی ہوجائے تو اس میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے،اور اس کو کھانا صحت کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

تازہ مچھلی کی پہچان

تازہ مچھلی کے آنکھ کے ڈھیلے ابھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کے پھیپھڑے شوخ گلابی رنگ کے ہوتے ہیں۔لیکن باسی مچھلی کے ڈھیلے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور پھیپھڑوں کا رنگ سیاہی مائل ہوجاتا ہے اور بدبو آنے لگتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب ۱۸۔۱۱۔۲۷ھ

اخبار ادارہ

مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□...... جمعہ ۲/ ۹/ ۱۶/ ۲۳/ ذیقعدہ کو تینوں مسجدوں (مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار، مسجد بلال صادق آباد، مسجد نسیم گل نور مارکیٹ) میں وعظ اور مسائل کی نشستیں منعقد ہوئیں۔

□...... جمعہ ۲۴/ شوال و ۹/ ذیقعدہ بعد مغرب پندرہ روزہ فقہی نشستیں منعقد ہوئیں، پہلی نشست میں ادارہ کے نصابِ تعلیم پر گفتگو ہوئی۔

□...... اتوار ۲۶/ شوال بعد عصر کو ہفتہ وار مجلسِ ملفوظات کا دو ماہ کے وقفہ کے بعد آغاز ہوا، ۴/ ۱۱/ ۱۸/ ذیقعدہ کو پھر حسبِ معمول یہ ہفتہ وار مجلس منعقد ہوتی رہی، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم اس مجلس میں بزرگانِ دین کے اصلاحی، علمی ارشادات وملفوظات سناتے ہیں۔

□...... سوموار ۲۷/ شوال تا ۳/ ذیقعدہ مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار میں حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم نے حسبِ سابق حج کورس کا اہتمام فرمایا، گذشتہ تقریباً دس سال سے حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم ہر سال یہ کورس کراتے ہیں، اس میں رسمی طریقہ کے بجائے حج کے ضروری مسائل اور مناسک کی تعلیم دیتے ہیں، اور منکرات اور فضولیات کی نشاندہی فرماتے ہیں۔

□...... منگل ۲۸/ شوال بعد ظہر ادارہ کے اساتذہ وافرادِ عملہ کے لئے حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی اصلاحی مجلس کا آغاز ہوا۔

□...... بدھ ۲۹/ شوال بعد ظہر طلبہ کرام کے لئے ہفتہ وار اصلاحی مجلس کا آغاز ہوا، طلبہ کرام کے ہفتہ وار تربیتی وتعلیمی امور کے جائزہ اور اصلاحی بیان پر مشتمل یہ مجلس حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم یا آپ کی نیابت میں کوئی استاد تعلیمی سال کے دوران باقاعدگی سے منعقد کراتے ہیں، بدھ ۱۴/ ۲۱/ ذیقعدہ کو حسبِ معمول یہ مجلس ہوتی رہی۔

□...... جمعرات ۲۳/ شوال اور ۱/ ۸/ ۱۵/ ۲۲/ ذیقعدہ کو بعد ظہر (۳ بجے تا عصر) طلبہ کرام کی ہفتہ وار تعلیمی وتربیتی بزمِ ادب منعقد ہوتی رہی، جمعرات ۲۳/ شوال کو نئے تعلیمی سال کے تحت اس کا افتتاح ہوا۔

□...... جمعرات ۸/ ذیقعدہ کو بنی چوک راولپنڈی کے تین فریقوں کے ایک کاروباری تنازعہ کا حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی ثالثی میں فیصلہ ہوا۔

□...... جمعرات ۲۲/ ذیقعدہ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب خانوخیل، مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ، ڈیرہ اسماعیل خان ادارہ میں تشریف لائے اور حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات فرمائی، ساتھ میں ایک عالمِ دین فیض آباد، ہائی وے، مدرسہ خالد بن ولید کے مہتمم بھی تھے۔

Idara Ghufran

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

✍ **14/نومبر 2006ء 21 شوال 1427ھ**: پاکستان: سرحد اسمبلی کا اجلاس، حسبہ بل 7 ترامیم کے ساتھ منظور، اقدام غیر آئینی ہے، وفاقی حکومت ✍ **15/نومبر**: افغانستان میں اتحادی افواج (Allied forces) جنگ سے تنگ اور تھک چکی ہیں، (NATO Commander) نیٹو کمانڈر ✍ **16/نومبر**: پاکستان: قومی اسمبلی نے تحفظ حقوقِ نسواں بل منظور کرلیا📖 حدود بل قرآن وسنت کے منافی اور خواتین کے ساتھ ظلم ہے علماء کمیٹی کا بیان📖، بل عجلت میں منظور کرایا گیا، خواتین کی عصمت لوٹنے والوں کو شرعی سزا سے مکمل چھوٹ دے کر آخر خواتین کے کون سے حق کا تحفظ کیا جارہا ہے؟ سینٹ اراکین بل کو منظور ہونے سے روکیں اور اگر بل پاس ہوکر صدر کے پاس آئے تو وہ اللہ کی ناراضگی مول لینے سے باز رہیں، مشترکہ بیان ✍ **17/نومبر**: پاکستان: 1300 کلومیٹر دور دشمن کو نشانہ بنانے کی صلاحیت کے حامل بیلسٹک میزائل (Balastic Mezile) حتف V (Hattaf Five) کا کامیاب تجربہ ✍ **18/نومبر**: پاکستان: نسوان بل کے خلاف مجلس عمل کے رکن اسمبلی حنیف عباسی اور ڈاکٹر فریدہ صدیقی بھی مستعفی ✍ **19/نومبر**: نیویارک: اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اسرائیل کے خلاف قرارداد منظور، بیت جنون قتل عام کی تحقیقات کے لئے کمیشن (Commission) قائم کرنے کا مطالبہ، قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کرلی گئی، 156 ممالک نے حق میں ووٹ دیا، قرارداد رکوانے کے لئے امریکہ کی سرتوڑ کوششیں ناکام، اسرائیل فلسطین (Plestine) میں قتل وغارت گری بند کرے، (General Assembly) جنرل اسمبلی ✍ **20/نومبر**: بھارت نے بیلسٹک میزائل (Balastic Mezile) پرتھوی ٹو (Parthawi II) کا تجربہ کرلیا، تجربہ لانچنگ کمپلیکس اتھری (Lanching Complex Ithri) کے موبائل لانچنگ ہیڈ چندی پور Mobile launching head (Chandi pur) کے مقام سے کیا گیا، رینج (Range) 350 کلومیٹر (Kilometer) ہے ✍ **21/نومبر**: پاکستان: طالبان القاعدہ سے زیادہ مضبوط اور خطرناک (Dangerous) ہیں، خورشید قصوری ✍ **22/نومبر**: جنیوا (Geneva): امریکی افواج عراق میں پھنس گئیں، اقوام متحدہ ✍ **23/نومبر**: عراق میں جاری تشدد خطرناک حدوں کو چھو رہا ہے، اقوامِ متحدہ، ملک فرقہ وارانہ اور نسلی تشدد کی گرفت میں آگیا ہے، 20 لاکھ افراد نقل مکانی کر گئے، ✍ **24/نومبر**: پاکستان: سینٹ (Senate) نے بھی نسواں بل کی منظوری دے دی مجلس کا احتجاج، پی پی اور قوم پرستوں نے حکومت کا ساتھ دیا ✍ **25/نومبر**: بغداد: عراق موت کی وادی بن گیا، دھماکوں میں 72 ہلاک فوج کے سامنے 6 نمازیوں کو زندہ جلا دیا گیا، ✍ **26/نومبر**: پاکستان: مشکل وقت میں پاکستان کا کردار نہیں بھلا سکتے، ترقی کے لئے پاک چین مشترکہ کوششیں کریں گے، ہوجن تاؤ ✍ **27/نومبر**: پاکستان: پہلا اوورسیز اکنامک زون (First over seas ecnomic zone) پاکستان میں قائم کررہے ہیں، ہر شعبے میں پاکستان سے بھرپور تعاون کریں گے، چینی صدر، آزاد تجارتی معاہدے سے نجی شعبہ

ترقی کرے گا ہوجن تاؤ شوکت عزیز، نجی شعبے کو پاکستان میں مزید سرمایہ کاری کرنے پر قائل کروں گا، اکنامک زون (Ecnomic zone) پاک چین دوستی کا اہم سنگِ میل ہے، ہم پاکستان کے ہر شعبے میں سرمایہ کاری کے لئے دلچسپی رکھتے ہیں، ہوجن تاؤ ✍ **28/نومبر**: پاکستان: قندھار میں فدائی حملہ 7 نیٹو اہلکار ہلاک 12 زخمی، 3 گاڑیاں تباہ عراق کے مقابلے میں افغانستان میں امریکہ کا زیادہ نقصان ہوا سابق امریکی وزیر خارجہ (Richard Armtage) رچرڈ آرمیٹج ✍ **29/نومبر**: افغانستان: مشن انتہائی خطرناک ہے، افغانستان میں نیٹو (NATO) کی ساکھ داؤ پر لگ چکی ہے، (Bush, Blair) بش، بلیئر ✍ **30/نومبر**: پاکستان: بش کسی تنظیم کو از خود دہشت گرد قرار دے کر پابندی نہیں لگا سکتے، امریکی عدالت 📖 نیٹو سربراہ اجلاس ناکام رکن ممالک کا مزید فوجیں بھیجنے سے انکار 📖 خواتین بچپن کی شادیاں چیلنج کر سکیں گی، وفاقی کابینہ نے عائلی قوانین کے ترمیمی مسودے کی منظوری دے دی ✍ **یکم دسمبر 2006**ء: پاکستان: صدارتی الیکشن ستمبر، اکتوبر 2007ء عام انتخابات جنوری 2008ء میں ہوں گے، صدر نے شیڈول (Shedule) کی توثیق کردی ✍ **2 دسمبر**: پاکستان: صدر نے دستخط کر دیئے، نسواں بل باقاعدہ قانون بن گیا، مجلس کی طرف سے مذمت ✍ **3 دسمبر**: پاکستان: سہ ملکی گیس پائپ لائن منصوبہ فوری شروع ہونا چاہیے، مشرف احمدی نژاد ٹیلی فونک (Telephonic) گفتگو میں اتفاق ✍ **4 دسمبر**: پاکستان: اقندھار خودکش حملہ، 10 امریکی ہلاک، طالبان نے نیٹو (NATO) ہیلی کاپٹر (Helicopter) مار گرایا، 8 ہلاک ✍ **5 دسمبر**: عراق: جھڑپیں حملے، ہیلی کاپٹر تباہ، 25 امریکی فوجی ہلاک ✍ **6 دسمبر**: پاکستان: نسواں بل کے سیاسی مقاصد ہیں، امریکہ اور نیٹو شکست مان چکے ہیں، ملکی، پالیسیاں بدلی جائیں، جنرل اسلم بیگ ✍ **7 دسمبر**: امریکہ: عراق میں صورتحال بدتر ہے، اسٹڈی گروپ (Study group) کی رپورٹ (Report) سنجیدگی سے غور کریں گے بش ✍ **8 دسمبر**: پاکستان: نواز شریف الیکشن سے قبل ہر صورت میں وطن واپس آئیں گے، (PML.N) مسلم لیگ ن ✍ **9 دسمبر**: پاکستان: بھارت شامل نہ ہوا تب بھی ایران سے گیس لیں گے، صدر پرویز مشرف **10 دسمبر**: پاکستان: نسوان بل منظور ہوگیا، استعفے آئے نہ پارلیمنٹ ٹوٹی صدر پرویز مشرف 📖 طالبان نے اسلامی جمہوریہ افغانستان کا آئین جاری کر دیا، بنیادی قوانین غیر ملکی افواج کو نکالنے کے بعد نافذ کئے جائیں گے ✍ **11 دسمبر**: ریاض: خلیجی ممالک نے پرامن مقاصد کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی (Atomic technology) حاصل کرنے کا اعلان کر دیا، خلیج تعاون کونسل (Gulf Counsel of Cooperation) کے اجلاس میں رکن ممالک سعودی عرب (Saudi Arabia)، بحرین، قطر، کویت اور متحدہ عرب امارات (United Arab Emirates) کے رہنماؤں نے عراق کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت ختم کرنے کا مطالبہ کر دیا، خلیجی ممالک پرامن مقاصد کے لئے جوہری ٹیکنالوجی کا حق رکھتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کونسل کے سربراہوں نے ایک سٹڈی گروپ (Study Group) قائم کرنے کے احکامات دے دیئے ہیں، اجلاس کا مشترکہ اعلامیہ

By Mufti Muhammad Rizwan - Translated By Abrar Hussain Satti

Wearing of ornaments except gold or silver

It is lawful for women in Sharia to wear the ornaments of gold, silver and other thing like metal, steel, silversteel, brace, etc. But the rings are lawful only those, which are made with gold or silver, in so weight, they wish. But it is not lawful in Sharia for women to wear rings except gold or silver.

The given detail was for women, while it is not lawful for men to wear ornaments of any kind, rather it is obnoxious (hara'm) and a big sin. But it is lawful for them to wear the rings made by silver but lower than the weight consisting four and half gram. (i.e. consisting 36rattis). It is not lawful for men to wear ring consiting more than the given weight.It is also not lawful for men to wear any ring accept silver. Now a day we are looking that so many young stairs are wearing lockets in necks and earrings in ears and rings in hands, which is not lawful in Sharia. Thus they are being sinners. And thus they will be sinner throughout the duration they wear these things.